قرآن کریم اور سنت نبویہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۸۱ شمارہ: ۲

صفر المظفر ۱۴۳۹ھ - نومبر ۲۰۱۷ء

قیمت فی شمارہ: ۳۵ روپے، زرِ سالانہ: ۴۰۰ روپے

مدیر/مدیر مسئول
مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر

نائب مدیر
مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

مدیر معاون
مولانا محمد اعجاز مصطفی

ناظم
مولانا فضل حق یوسفی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ ''بینات'' جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ بنوری ٹاؤن
کراچی، پوسٹ کوڈ:74800، پوسٹ بکس نمبر:3465
فون دفتر ''بینات'':021-34927233

اکاؤنٹ نمبر

اکاؤنٹ نمبر:7-397-101900 برانچ کوڈ:0816
مسلم کمرشل بینک علامہ بنوری ٹاؤن برانچ کراچی

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے، ویسٹ انڈیز وغیرہ: 35 امریکی ڈالر
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان، ایران، انڈیا وغیرہ: 27 امریکی ڈالر
بنگلہ دیش: 25 امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ
علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

فون: 34913570 - 34123366 - 34121152 **Ext.** 146 - 147
فیکس:+92-21-34919531

Web: www.banuri.edu.pk ***Email***: bayyinat@banuri.edu.pk

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر **مطبع:** ایجوکیشنل پریس **طابع:** فیروز زکی

فہرستِ مضامین

بصائر وعبر

ختمِ نبوت اور نظریۂ پاکستان پر خوفناک حملہ!	۳	محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات ومضامین

دار العلوم دیوبند! (ایک جائزہ)	۱۵	محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ
مکاتیب علامہ کوثریؒ ... بنام ... علامہ بنوریؒ (قسط: ۸)	۲۶	ترجمہ: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری
مروّجہ تکافل اور ایک مغالطہ!	۳۰	مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
دنیا کے خسارے سے بچنے ..... کا قرآنی نسخہ	۴۵	ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی
بچے، قرآن اور ہماری ذمہ داری!	۵۰	مولانا سید عبدالوہاب شیرازی
''شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا'' اور اُن کا حکم (قسط: ۲)	۵۲	مولانا انعام اللہ

دار الافتاء

بینک کے آئی. ٹی ڈِپارٹمنٹ میں ملازمت کا حکم	۵۷	ادارہ

نقد ونظر

	۵۹	ادارہ

ختمِ نبوت اور نظریۂ پاکستان پر خوفناک حملہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ وسلامٌ علٰی عبادہٖ الذین اصطفٰی

ہمارا ملک پاکستان ایک نظریہ کی بنیاد پر بنا، اس نظریہ کو سامنے رکھ کر قراردادِ مقاصد مرتب ہوئی، جس کی روشنی میں اسلام اور کتاب وسنت پر اس مملکتِ خداداد کی بنیاد قائم ہوئی۔ قیامِ پاکستان کے کافی عرصہ بعد پاکستان کا دستور بنا اور کتاب وسنت پر اس کی بنیادوں کو اُستوار کیا گیا۔

۱۹۷۴ء میں قادیانیوں کی طرف سے نشتر کالج ملتان کے مسلمان طلبہ پر حملے کے نتیجے میں پورے ملک میں تحریکِ ختمِ نبوت چلی، اور پھر قومی اسمبلی میں بڑی بحث وتمحیص اور قادیانیوں اور لاہوریوں کے پیشواؤں کے بیانات سننے کے بعد پوری قومی اسمبلی نے ۷/ستمبر ۱۹۷۴ء کو متفقہ طور پر قادیانیوں اور لاہوریوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اس کے بعد خاص مقاصد کے تحت قادیانیوں نے اسلامی شعائر کا استعمال خصوصاً کلمہ طیبہ کے بیج لگانا، اپنی عبادت گاہوں اور گھروں پر کلمہ طیبہ لکھنا وغیرہ شروع کردیا، جس کی روک تھام کے لیے ۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا، جس میں یہ کہا گیا کہ قادیانی گروپ ہو یا لاہوری گروپ ہو، وہ اسلامی شعائر کا استعمال نہیں کرسکتے۔

اس وقت عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت کے امیر مرکزیہ محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ اس تحریکِ ختمِ نبوت کے قائد تھے، اس تحریک کی کامیابی کے بعد رمضان وشوال ۱۳۹۴ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۴ء ماہنامہ ''بینات'' کے اداریہ میں لکھا کہ:

’’ مرزائیوں کی حیثیت قبل ازیں کفار محاربین کی تھی اور قومی اسمبلی کے فیصلہ کے بعد ان کی حیثیت پاکستان کے غیرمسلم شہریوں کی ہے جن کو ذمی کہا جاتا ہے (بشرطیکہ وہ بھی پاکستان میں بحیثیت غیرمسلم کے رہنا قبول کرلیں، اس لیے کہ عقدِ ذمہ دوطرفہ معاہدہ ہے) اور کسی ذمی کے جان و مال پر ہاتھ ڈالنا اتنا سنگین جرم ہے کہ رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں ایسے شخص کے خلاف نالش کریں گے۔ اس بنا پر تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ ان کی جان و مال کی حفاظت کریں۔ مجلسِ عمل نے مرزائیوں سے سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ کیا تھا جو مسلمانوں کے دائرہ اختیار کی چیز تھی، لیکن جن مرزائیوں نے قومی اسمبلی کا فیصلہ تسلیم کرکے اپنے غیرمسلم شہری ہونے کا اقرار کرلیا ہو، اب ان سے سوشل بائیکاٹ نہیں ہوگا۔ اور جو مرزائی اس فیصلہ کو قبول نہ کررہے ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مسلمانوں سے ترکِ محاربت پر آمادہ نہیں۔ مرزائیوں کو آئینی حیثیت سے غیرمسلم تسلیم کرنے کے بعد کچھ انتظامی اقدامات ہیں جو حکومتِ پاکستان سے متعلق ہیں۔ ہم توقع رکھتے ہیں کہ حکومت اس بات میں تغافل سے کام نہیں لے گی۔ اس سلسلہ میں زیادہ اہم یہ امر ہے کہ خفیہ ریشہ دوانیوں پر کڑی نظر رکھی جائے اور کسی نئی سازش برپا کرنے کے امکانات کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ حکومت اور عام مسلمانوں سے متعلق جو چیز ہے، وہ یہ ہے کہ مرزائیوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دے کر ہمارا مشن پورا نہیں ہوجاتا، بلکہ یہ تو اس کا نقطۂ آغاز ہے، اصل کام جو ہمارے کرنے کا ہے، وہ یہ ہے کہ: جو لوگ کسی مادی غرض یا کسی غلط فہمی کی بنا پر اس مرزائیت سے وابستہ ہوئے‘ انہیں آنحضرت ﷺ کے دامنِ ختمِ نبوت میں لانے کے لیے محنت کی جائے، ان کے کچھ شبہات ہوں تو ان کو زائل کیا جائے، ان کی کچھ مجبوریاں ہوں تو اُن کو رفع کیا جائے۔ مرزائیوں نے عام طور پر مسلمانوں ہی کو شکار کیا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو پوری ہمدردی اور خیرخواہی کے ساتھ جہنم سے نکالنے کی فکر کی جائے۔ پاکستان کے اندر اور باہر جس قدر لوگ مرتد ہوئے ہیں‘ اُنہیں پھر سے اسلام کی دعوت دی جائے۔ غرض مرزائیوں کو خارج از اسلام قرار دینا اصل مقصد نہیں تھا، بلکہ انہیں داخل در اسلام کرنا اصل مقصد ہے۔‘‘ (بصائر وعبر، ج:۲،ص:۱۹۱، ط: مکتبہ بینات، کراچی)

قادیانیوں اور لاہوریوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دیئے جانے کے بعد اُن کا الگ تشخص قائم رکھنے اور مسلمان اکثریت کے ساتھ خلط ملط ہونے سے بچانے کے لیے ایک حلف نامہ مرتب کیا گیا، اور کہا گیا کہ ہر مسلمان رکنِ اسمبلی خواہ قومی ہو یا صوبائی یا سینیٹ کا رکن‘ وہ نامزدگی فارم میں یہ حلف نامہ پر کرے گا۔ اس حلف نامہ کی عبارت درج ذیل ہے:

نامزد شخص کی طرف سے اقرار نامے اور بیانِ حلفی

۱-　　میں مذکورہ بالا امیدوار حلفاً اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ:

(اول)　میں نے مذکورہ بالا نامزدگی پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے اور یہ کہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے آرٹیکل ۶۲ میں مصرحہ اہلیت پوری کرتا/کرتی ہوں اور یہ کہ قومی اسمبلی/صوبائی اسمبلی/ کی رکن منتخب ہونے کے لیے دستور کے آرٹیکل ۶۳ یا فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں مصرحہ نااہلیتوں میں سے کسی کی زد میں نہیں آتا/آتی ہوں۔

(☆دوم)　میرا تعلق..............................سے ہے اور مذکورہ سیاسی جماعت کی طرف سے جاری کردہ

(سیاسی جماعت کا نام)

سرٹیفکیٹ جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں مذکورہ بالا حلقۂ انتخاب سے جماعتی امیدوار ہوں منسلک ہے۔

یا　　میرا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲-　　میں مذکورہ بالا امیدوار حلفاً اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ:

(☆☆اول)　میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا/رکھتی ہوں اور یہ کہ میں کسی ایسے شخص کا/کی پیروکار نہیں ہوں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی بھی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو اور یہ کہ میں کسی ایسے دعویدار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح نہیں مانتا/مانتی ہوں اور نہ ہی قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا/رکھتی ہوں یا خود کو احمدی کہتا/کہتی ہوں۔

(دوم)　میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے کیے ہوئے اس اعلان کا وفادار رہوں گا/گی کہ پاکستان معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی۔ میں صدقِ دل سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا/گی اور پاکستان کی خودمختاری اور سالمیت کا تحفظ اور دفاع کروں گا/گی اور یہ کہ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں رہوں گا/گی جو قیامِ پاکستان کی بنیاد ہے۔

۳-　　میں اپنے علم اور یقین سے حلفاً یہ اقرار صالح کرتا/کرتی ہوں کہ:

(اول)　کسی بنک، مالیاتی ادارے، کوآپریٹو سوسائٹی یا ہیئت اجتماعیہ کی طرف سے میرے اپنے نام سے یا میری بیوی/شوہر یا میرے کسی زیرکفالت اشخاص میں سے کسی کے نام سے یا کاروباری ادارہ کے نام سے بیشتر میری یا مذکورہ بالا کی ملکیت دو ملین روپے یا اس سے زائد قرضہ کی رقم مقررہ تاریخ سے ایک سال سے زائد مدت کے لیے واجب الادا نہیں ہے یا مذکورہ قرضہ معاف نہیں کروایا گیا ہے، اور

(دوم)　میں، میری بیوی/شوہر یا زیرکفالت اشخاص میں کوئی یا کاروباری ادارہ جو بیشتر میری مذکورہ بالا کی ملکیت ہو، حکومت کے واجبات، یوٹیلٹی چارجز، بشمول ٹیلی فون، بجلی، گیس اور پانی کے واجبات کی رقم جو کہ ۱۰ ہزار روپے سے زائد ہوگی ادائیگی میں، کاغذ نامزدگی پر کرتے وقت چھ ماہ سے زائد عرصہ کے لیے نادھندہ نہیں ہیں:

۴:-　　میں حلفاً یہ اقرار صالح کرتا/کرتی ہوں کہ:

(اول)　میرے/میری شریک حیات اور زیرکفالت اشخاص کے ناموں کی فہرست درست ہے اور کوئی نام رہ نہیں گیا (فہرست منسلک ہے)۔

(دوم)　نہ ہی میری ملکیت میں اور نہ ہی میرے/میری شریک حیات یا میرے زیرِ کفالت اشخاص کی ملکیت میں کوئی کمپنی ہے ماسوائے درج ذیل کے:

....

....

☆:......　غیر متعلقہ الفاظ قلم زد کر دیئے جائیں گے۔　　☆☆:......　صرف مسلمان امیدواروں کے لیے۔

حالیہ پاس ہونے والے انتخابی اصلاحاتی بل ۲۰۱۷ء میں غیرمحسوس طریقے پر کئی تبدیلیاں کی گئیں:

۱: اس فارم کے عنوان: ''نامزد شخص کی طرف سے اقرار نامہ اور بیانِ حلفی'' کو صرف ''نامزد شخص کی طرف سے اقرار نامہ'' میں بدل دیا گیا۔

۲: مذکورہ فارم کے نمبر: ۱ میں لکھا ہے کہ: ''میں مذکورہ بالا اُمیدوار حلفاً اقرار کرتا/ کرتی ہوں'' اس پوری عبارت کو اُڑادیا گیا۔

۳: مذکورہ بالا فارم کے نمبر: ۲ میں لکھا ہے کہ: ''میں مذکورہ بالا اُمیدوار حلفاً اقرار کرتا/کرتی ہوں'' اُسے بھی حذف کردیا گیا۔

۴: مذکورہ بالا فارم کے نمبر: ۳ میں لکھا ہے کہ: ''میں اپنے علم اور یقین سے حلفاً یہ اقرارِ صالح کرتا/کرتی ہوں'' اُسے بھی صاف کردیا گیا۔

۵: ایک خطرناک تبدیلی جو کی گئی وہ یہ تھی کہ نئے قانون کی دفعہ ۲۴۱ کے ذریعہ کئی پچھلے قوانین کو منسوخ کردیا گیا۔ ان قوانین میں ایک قانون جنرل پرویز مشرف کا جاری کردہ وہ صدارتی آرڈر ہے، جس کے ذریعہ ۲۰۰۲ء کے الیکشن کے لیے قواعد وضوابط متعین کیے گئے تھے۔ ان میں دفعہ ۷ب اور دفعہ ۷ج بھی تھی، وہ اس نئے قانون کی دفعہ ۲۴۱ سے منسوخ ہوگئی۔

دفعہ ۷ب میں یہ قرار دیا گیا تھا کہ: ''مخلوط طرزِ انتخاب کے باوجود قادیانیوں اور لاہوریوں کی قانونی حیثیت غیر مسلم ہی کی رہے گی، جیسا کہ دستورِ پاکستان میں یہ طے پایا ہے۔''

دفعہ ۷ج میں یہ قرار دیا گیا کہ: ''اگر کسی ووٹر پر کسی کو اعتراض ہو کہ اسے مسلمان ظاہر کیا گیا ہے، جب کہ درحقیقت وہ قادیانی یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا ہے تو اُس ووٹر پر لازم ہوگا کہ وہ مجاز اتھارٹی کے سامنے ختم نبوت پر ایمان کے متعلق اس طرح کا بیانِ حلفی جمع کرائے، جیسے مسلمان کرتے ہیں۔ مزید یہ قرار دیا گیا کہ: ایسا بیانِ حلفی جمع کرانے سے انکار کی صورت میں اُسے غیر مسلم متصور کیا جائے گا اور اس کا نام مسلمانوں کی ووٹر لسٹ سے نکال دیا جائے گا۔ یہ بھی قرار دیا گیا کہ: اگر ایسا ووٹر مجاز اَتھارٹی کے سامنے پیش ہی نہ ہو، باوجود اس کے کہ اُسے باقاعدہ نوٹس مل چکا ہو تو ایسی صورت میں اس کے خلاف قضاء علی الغائب (Ex Parte Decision) کے اُصول پر فیصلہ کیا جائے گا۔''

یعنی ''ترمیم سے پہلے امیدوار فارم پر ختم نبوت کا اقرار یہ کہہ کر کرتا تھا کہ: ''میں مذکورہ بالا امیدوار حلفاً اقرار کرتا ہوں'' جبکہ ترمیم کے بعد اس کے الفاظ یہ ہو گئے ہیں کہ ''میں اقرار کرتا

ہوں''، یعنی فرق ''قسم Oath'' اور ''اقرار Affirmation'' کا ہے۔ اگر یہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں تو پھر تبدیلی کی ضرورت کیوں اور کس لیے پیش آئی؟ فارم پر جہاں امیدوار دستخط کرتا ہے، وہاں بھی اسی سے منسلک تبدیلی کر کے اب Statement of Oath کی جگہ Solemn Affirmation لکھ دیا گیا ہے۔ اور نئے انتخابی اصلاحاتی بل دفعہ ۲۴۱ کے تحت جہاں اور قوانین منسوخ ہوئے' وہاں دفعہ ۷ ب اور ۷ ج بھی منسوخ ہوگئی۔ خلاصہ یہ کہ بڑی باریک بینی اور غیر محسوس انداز سے یہ تبدیلیاں کی گئیں کہ بڑے بڑوں کو اس کی ہوا تک نہ لگی۔ اس پر پروفیسر ڈاکٹر جناب محمد مشتاق (لاء ڈپارٹمنٹ، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد) لکھتے ہیں کہ:

> ''یہ تعبیرِ قانون کا بنیادی اصول ہے، قانون میں کوئی لفظ کیوں شامل کیا گیا؟ کیوں نکالا گیا؟ کیوں تبدیل کیا گیا؟ کچھ بھی بغیر کسی مقصد کے نہیں ہوتا۔ جب بھی عدالت کسی قانون کی تعبیر کی ذمہ داری ادا کرنے بیٹھتی ہے، یہ اس کے سامنے بنیادی مفروضہ ہوتا ہے۔ اس لیے اگر پہلے سے موجود قانون میں کسی لفظ کی تبدیلی کی جائے تو عدالت لازماً یہ دیکھتی ہے کہ اس تبدیلی کا مقصد کیا تھا؟ تاکہ قانون کی ایسی تعبیر اختیار کی جائے جو اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مناسب ہو۔ یاد رکھیے: تعبیرِ قانون کے معاملے میں عدالت کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ مقنّنہ کا ارادہ (intention of the legislature) معلوم کر کے اس کی روشنی میں قانون کا مفہوم متعین کرے۔ اس اُصول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ قانون میں کسی لفظ، کسی حرف، بلکہ کسی شوشے کی تبدیلی کو بھی لغو، لایعنی، بغیر کسی مقصد کے، نہ قرار دیا جائے۔''

....

انتخابی اصلاحاتی بل ۲۰۱۷ء پر عملی کام ۲۰۱۴ء سے شروع ہوا اور اسمبلی میں موجود تمام پارلیمانی جماعتوں کے نمائندوں پر مشتمل ۳۴ رکنی کمیٹی وفاقی وزیرخزانہ جناب اسحاق ڈار کی صدارت میں قائم کی گئی۔

پارلیمانی انتخابی اصلاحاتی کمیٹی نے ایک سب کمیٹی بنائی جس نے وسیع تر مشاورت کے بعد سینکڑوں صفحات پر مشتمل ڈرافٹ تیار کر کے مرکزی کمیٹی کو بھیجا، انتخابی اصلاحاتی کمیٹی نے تین سال کے دوران ۱۲۶ دن اس ڈرافٹ پر کام کیا اور ایک حتمی ڈرافٹ تیار کیا، اس حتمی ڈرافٹ کی رپورٹ ۷ اگست ۲۰۱۷ء کو قومی اسمبلی میں پیش کی گئی اور ۷ اگست سے ۲۲ اگست ۲۰۱۷ء تک یہ ڈرافٹ ارکان کے پاس رہا اور ۲۲ اگست ۲۰۱۷ء کو اس ڈرافٹ کو بل کی شکل میں قومی اسمبلی نے منظور کیا۔

قومی اسمبلی سے منظوری کے بعد یہ انتخابی اصلاحاتی بل سینیٹ میں پیش کیا گیا، اس سے قبل یہ بل سینیٹ کی مجلسِ قائمہ کے حوالہ کیا گیا جس نے جائزہ لیا اور پھر ۲۲ ستمبر ۲۰۱۷ء کو سینیٹ آف پاکستان نے کثرتِ رائے سے یہ بل منظور کیا۔

جب یہ بل سینیٹ میں منظوری کے لیے پیش ہوا تو اس وقت جمعیت علماء اسلام کے سینیٹر مولانا حافظ حمداللہ صاحب نے ایوان کی توجہ اس حساس مسئلے کی طرف مبذول کرائی کہ کاغذاتِ نامزدگی میں موجود حلف نامے کو اقرار نامے میں تبدیل کردیا گیا ہے، 7B، 7C کی دفعات کو بھی سرے سے ہی نکال دیا گیا ہے۔

حافظ حمداللہ نے اس کے متعلق اپنی ترامیم پیش کیں اور حذف شدہ الفاظ کو شامل کرنے کے لیے تحریک پیش کی جس پر ووٹنگ ہوئی اور حافظ حمداللہ کی ترامیم ۳۸/ ۶ ۳ کے تناسب یعنی دو ووٹوں کے فرق سے مسترد کردی گئیں، پیپلز پارٹی جن کی سینیٹ میں اکثریت ہے، پاکستان تحریک انصاف، ایم کیو ایم، اے این پی نے حافظ حمداللہ کی ترامیم کی مخالفت کی، جبکہ جماعت اسلامی کے امیر سینیٹر سراج الحق اس دن سینیٹ اجلاس میں شریک ہی نہیں ہوئے۔

ایوان سے نکلی سب سے پہلی آواز جو باہر قوم تک پہنچی، وہ محترم جناب شیخ رشید صاحب کی آواز تھی۔ انہوں نے قومی اسمبلی میں اس بل کے پاس ہونے کے بعد تقریر کرتے ہوئے کہا: کہاں ہے مولانا فضل الرحمٰن؟ اور کہاں ہیں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام لیوا؟ آج ختم نبوت کا مسئلہ قانون سے نکال دیا گیا ہے۔ اس آواز کے گونجتے ہی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے اکابرین کو سخت تشویش ہوئی، وکلاء سے رابطہ کیا گیا، نئے قانون کا مسودہ منگوا کر پرانے مسودہ سے اسے ملایا گیا۔ اس نئے مسودہ میں وہ تبدیلیاں نظر آئیں جن کی نشان دہی اوپر کردی گئی ہے، حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب نے حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے رابطہ کیا، جو عمرہ پر تشریف لے گئے تھے، ان کو صحیح صورت حال بتائی گئی اور اخبارات کو درج ذیل بیان جاری کیا گیا:

> کراچی (پ ر) الیکشن ریفارمز بل میں عبارت کی تبدیلی اور ترمیم ناقابل قبول ہے۔ تحفظ ختم نبوت سے متعلق قوانین اور الفاظ تک کا ہر قیمت پر دفاع کیا جائے گا۔ حکومت قادیانیت نوازی سے باز رہے۔ ان خیالات کا اظہار عالمی مجلس تحفظِ ختم نبوت کے امیر مرکزیہ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا خواجہ عزیز احمد، مولانا ناصرالدین خاکوانی، مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری، مولانا اللہ وسایا، مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ، مولانا قاضی احسان

احمد و دیگر علماء کرام نے اپنے احتجاجی بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ انتخابی اصلاحات بل کی آڑ میں ''حلف نامہ'' کے الفاظ اور دوسری عبارت کا اخراج کسی طرح برداشت نہیں کیا جائے گا۔ حکومت قادیانیوں کو ریلیف دینے کی مذموم کوشش کررہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ صاحبِ اقتدار طبقے کے اس اقدام سے دینی جماعتوں اور مذہبی حلقوں میں انتہائی تشویش پائی جاتی ہے۔ ملک وقوم اس وقت جس بحرانی کیفیت سے گزر رہے ہیں اس میں کوئی نیا محاذ کھولنا قرینِ مصلحت نہیں۔ علماء کرام نے سابق وزیراعظم کی قادیانیت نوازی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ موصوف نے اپنے دورِ اقتدار میں آنحضرت ﷺ کے ازلی وابدی دشمنوں اور منکرینِ ختم نبوت کو ''بھائی'' کہا۔ پاکستان کی سرزمین کو لعنتی قرار دینے والے ڈاکٹر عبدالسلام قادیانی کے نام قائدِ اعظم یونیورسٹی کے شعبہ فزکس کو منسوب کیا۔ انہوں نے کہا کہ لگتا ہے کہ سابق وزیراعظم صاحب نے موجودہ حالات سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ قادیانیت نوازی کی نحوست نے ان کو دیدۂ عبرت بنا کر چھوڑنا ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ایک طرف نواز شریف صاحب سے رابطہ کیا۔ دوسری طرف اپنے اراکینِ قومی اسمبلی اور سینیٹ کے حضرات کو اس بات کا پابند کیا کہ وہ اس قانون کے مسودہ کو بغور جانچیں اور جہاں جہاں تبدیلی کی گئی ہے، اس کی نشان دہی کریں۔

خلاصہ یہ کہ حکومت پر جب ہر طرف سے عوامی دباؤ بڑھا تو کہنے لگے کہ: ہم نے صرف ''حلف'' کے لفظ کو ''اقرار'' سے بدلا ہے، مطلب دونوں کا ایک ہے۔ حالانکہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اور ساتھ ہی کہنے لگے کہ: ختم نبوت پر مشتمل پورا پیرا موجود ہے، اس میں ایک لفظ کی بھی تبدیلی نہیں کی گئی، حالانکہ پہلے واضح کیا کہ اس پیرا کے اوپر ''میں حلفیہ اقرار کرتا/کرتی ہوں'' کی عبارت کو سرے سے ہی حذف کردیا گیا تھا، جس سے نچلا مضمون موجود ہونے کے باوجود بغیر حلف کے رہ گیا۔

بہرحال قوم کے زبردست احتجاج اور سخت عوامی ردِعمل کے سامنے حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ میاں نواز شریف صاحب نے بھی اپنی پارٹی اور جناب اسپیکر ایاز صادق صاحب کو ہدایت کی کہ ختم نبوت کے مسئلہ کو سابقہ حالت پر بحال کیا جائے۔ جناب اسپیکر صاحب نے تمام پارلیمانی جماعتوں کے نمائندوں کو بلایا اور اس قانون کو سابقہ حالت پر بحال کرانے پر اُنہیں راضی کیا۔ سب نے قومی اسمبلی میں اس قانون کو سابقہ حالت پر بحال کرنے کا بل اتفاقِ رائے سے پاس کردیا اور چند دن بعد سینیٹ سے بھی یہ بل پاس ہوکر قانون کا حصہ بن گیا ہے۔ اس نئے بل کا متن حسب ذیل ہے:

[قومی اسمبلی میں پیش کرنے کے لیے]

انتخابات ایکٹ، ۲۰۱۷ء میں ترمیم کرنے کا بل

ہرگاہ کہ یہ قرین مصلحت ہے کہ بعدازیں رونما ہونے والی اغراض کے لیے انتخابات ایکٹ، ۲۰۱۷ء (نمبر:۳۳ بابت ۲۰۱۷ء) میں ترمیم کی جائے۔

بذریعہ ہذا حسب ذیل قانون وضع کیا جاتا ہے:

۱-مختصر عنوان اور آغازِ نفوذ: (۱) یہ ایکٹ انتخابات (ترمیمی) ایکٹ ۲۰۱۷ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

(۲) یہ فی الفور نافذ العمل ہوگا۔

۲- ایکٹ نمبر ۳۳ بابت ۲۰۱۷ء کی دفعہ ۲۴۱ میں ترمیم: انتخابات ایکٹ ۲۰۱۷ء (نمبر ۳۳ بابت ۲۰۱۷ء) بعدازیں جس کا حوالہ مذکورہ ایکٹ کے طور پر دیا گیا ہے، دفعہ ۲۴۱ میں شق (و) میں، نیم وقفہ سے قبل، عبارت ''ماسوائے آرٹیکلز ۷-ب اور ۷-ج'' کو شامل کردیا جائے گا۔

۳- ایکٹ نمبر ۳۳ بابت ۲۰۱۷ء کے فارم الف میں ترمیم: مذکورہ ایکٹ میں، فارم الف میں، امیدوار کی جانب سے اقرارنامہ میں:

(۱) عنوان ''امیدوار کی جانب سے اقرارنامہ'' کو ''نامزد شخص کی طرف سے اقرارنامہ اور بیان حلفی'' سے تبدیل کردیا جائے گا۔

(۲) مذکورہ بالا تبدیل شدہ عنوان کے تحت، پیرا ۱ کے ذیلی پیروں (اول)، (دوم)، (سوم)، (چہارم) اور (پنجم) کو، حسب ذیل سے تبدیل کردیا جائے گا۔

''۱- میں مذکورہ بالا امیدوار حلفاً اقرار کرتا/کرتی ہوں کہ:

(اول) میں نے مذکورہ بالا نامزدگی پر اپنی رضامندی ظاہر کی ہے اور یہ کہ میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کے آرٹیکل ۶۲ میں مصرحہ اہلیت پوری کرتا/کرتی ہوں اور یہ کہ سینیٹ/قومی اسمبلی/صوبائی اسمبلی کا/کی رکن منتخب ہونے کے لیے دستور کے آرٹیکل ۶۳ یا فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں مصرحہ نااہلیتوں میں سے کسی کی زد میں نہیں آتا/آتی ہوں۔

(☆دوم) میرا تعلق..سے ہے اور مذکورہ سیاسی جماعت کی طرف سے جاری کردہ
(سیاسی جماعت کا نام)

سرٹیفکیٹ جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں مذکورہ بالا حلقۂ انتخاب سے جماعتی امیدوار ہوں، منسلک ہے۔

یا

میرا کسی سیاسی جماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

۲- میں مذکورہ بالا امیدوار حلفاً اقرار کرتا / کرتی ہوں کہ:

(☆☆ اول) میں خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان رکھتا / رکھتی ہوں اور یہ کہ میں کسی ایسے شخص کا / کی پیروکار نہیں ہوں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس لفظ کے کسی مفہوم یا کسی بھی تشریح کے لحاظ سے پیغمبر ہونے کا دعویدار ہو اور یہ کہ میں کسی ایسے دعویدار کو پیغمبر یا مذہبی مصلح نہیں مانتا / مانتی ہوں اور نہ ہی قادیانی گروپ یا لاہوری گروپ سے تعلق رکھتا / رکھتی ہوں یا خود کو احمدی کہتا / کہتی ہوں۔

(دوم) میں بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کے کیے ہوئے اس اعلان کا وفادار رہوں گا / گی کہ پاکستان معاشرتی انصاف کے اسلامی اصولوں پر مبنی ایک جمہوری مملکت ہوگی۔ میں صدق دل سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا / گی اور پاکستان کی خود مختاری اور سالمیت کا تحفظ اور دفاع کروں گا / گی اور یہ کہ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لیے کوشاں رہوں گا / گی جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔

۳- میں متذکرہ بالا امیدوار یہ اقرار کرتا ہوں کہ میں نے خصوصی اکاؤنٹ نمبر ....(جدولی بنک کا نام اور برانچ).. کے پاس انتخابی اخراجات کی غرض کے لیے کھولا ہے۔"

(۳) باقی ماندہ پیروں ۲، ۳، ۴ اور ۵ کو بطور ۴، ۵، ۶ اور ۷ دوبارہ نمبر لگائے جائیں گے اور

(۴) صفحہ کے آخر میں، حسب ذیل عبارت شامل کر دی جائے گی۔

بیانِ اغراض و وجوہ

انتخابات ایکٹ، ۲۰۱۷ء (نمبر ۳۳ بابت ۲۰۱۷ء) کے وضع کیے جانے کے واقعہ کے بعد نامزدگی فارم (فارم الف) جو کہ ایکٹ کے تحت منسلک ہے کے بارے میں قومی اسمبلی میں اور میڈیا میں بھی امیدوار کی جانب سے اقرارنامے کے الفاظ کی نسبت بدگمانی کا اظہار کیا گیا ہے۔

۲- مزید تنازعہ سے بچنے کے لیے قومی اسمبلی کی تمام سیاسی جماعتوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نامزد شخص کی طرف سے اقرارنامہ اور بیان حلفی کے اصل متن جو کہ اصل فارم-۱ الف میں شامل ہے کو اصل حالت میں بحال کیا جانا چاہیے۔

۳- عام انتخابات کے انعقاد کے فرمان ۲۰۰۲ء (چیف ایگزیکٹو فرمان نمبر ۷ بابت ۲۰۰۲ء) کی منسوخی کے نتیجے میں آرٹیکلز ۷ ب اور ۷ ج کے حذف کی نسبت بھی بدگمانی کا اظہار کیا گیا ہے۔ مزید تنازع سے بچنے کی خاطر تمام سیاسی جماعتوں میں اس بات پر اتفاق ہے کہ آرٹیکلز ۷ ب اور ۷ ج کے احکامات کو انتخابات ایکٹ ۲۰۱۷ء کی دفعہ ۲۴۱ میں ترمیم کے ذریعہ ایضاً برقرار رکھا جائے، لہٰذا یہ بل وضع کیا گیا۔

زاہد حامد

وزیر برائے قانون وانصاف

وزیر انچارج

☆:.......... غیر متعلقہ الفاظ قلم زد کر دیئے جائیں گے۔

☆☆:....... صرف مسلمان امیدواروں کے لیے۔

مزید یہ کہ اقرار اور حلف میں فرق ہے یا نہیں؟ آخر یہ Oathاور Affirmation کا معمہ ہے کیا؟ اس گتھی کو سلجھانے کے لیے کسی قدر حک و اضافہ کے بعد جناب تابش قیوم صاحب کا ایک مضمون نقل کیا جاتا ہے، موصوف لکھتے ہیں:

''آپ حیران ہوں گے کہ جس مسئلہ کو ہمارے بعض علماء اور وزراء معمولی سمجھ کر کہہ رہے ہیں کہ یہ ایک ہی چیز ہے، اس کی جڑیں ۳۰۵ سال پرانی ہیں جب ایک Quakers نامی عیسائی فرقہ نے حلف لینے سے انکار کیا اور کہا کہ ہم صرف اقرار کریں گے، کیونکہ کے ان کے نزدیک خدا ہر انسان میں ہے اور اُسے علیحدہ سے قسم کھانے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح کے دیگر عقائد کی بنیاد پر انہوں نے Oath کے بجائےAffirmation کا سہارا لیا اور ۱۶۹۵ء میں Quakers act 1695 منظور کروایا۔ اس قانون میں بھی وہی الفاظ درج ہیں جو موجودہ ترمیم میں شامل کیے گئے ہیں:

Quakers Act 1695 (An Act that the Solemne Affirmation & Declaration of the People called Quakers shall be accepted was passed . (instead of an Oath in the usual Forme; 7 & 8 Will 3 c. 34)

بات صرف یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ ۲۰۰ سال قبل اسکاٹ لینڈ کے ملحدین نے بھی حلف کی مخالفت یہ کہتے ہوئے کردی کہ ہم تو خدا کو مانتے ہی نہیں تو پھر قسم کیوں کھائیں؟! اور اس طرح انہوں نے بھی قانون سازی کروا کے یہ شرط ختم کروادی۔ یہ سارا کھیل دراصل اس تاریخ کا حصہ ہے جب مغرب نے چرچ اور مذہب سے اپنا رشتہ توڑ کر لادینیت اور سیکولرازم کی بنیاد رکھی۔ چارلز براڈلاف نامی ایک شخص جس نے قومی سیکولرسوسائٹی کی بنیاد رکھی تھی اسی نےAffirmation Law یا Solemn Affirmation کی بھی بنیاد رکھی۔

وہ ۱۸۸۰ء میں برطانیہ میں الیکشن جیت کر منتخب ہوا، مگر اس کو حلف دینے سے روک دیا گیا، کیونکہ وہ ملحد یعنی لادین تھا اور عیسائیت پر یقین نہیں رکھتا تھا۔ اس نے حلف کے بجائے اقرار کی استدعا کی جو مسترد کردی گئی اور اس سے سیٹ چھین لی گئی، تاہم بعد میں ضمنی انتخابات کروائے گئے، جس پر وہ ایک مرتبہ پھر جیت گیا اور پھر سے حلف سے انکار کیا، جس پر اُسے گرفتار کرلیا گیا، بالآخر یہ سلسلہ جاری رہا اور ایک تحریک کی شکل اختیار کرگیا۔ پانچویں دفعہ جاکر وہ ۱۸۸۶ء میں حلف لینے پر راضی ہوا، جس کے الفاظ میں اپنی مرضی کی ترمیم کی اور پھر اس نے ۱۸۸۸ء میں Oath Act پیش کیا جس کے ذریعہ

لادین لوگوں اور ملحدین کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ حلف کی بجائے فقط اختیار پر گزارا کریں۔

یہ قانون ایک طویل جدوجہد کے بعد عمل میں آیا، جس میں کلیدی کردار چارلس براڈلاف ہی کا تھا جو مغرب میں سیکولر قانون سازی کی بنیاد بنا۔ چارلس کی بیٹی بھی ملحد اور فری تھنکر تھی، جسے عیسائیوں نے قتل کر دیا تھا۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ سیکولرازم کے علمبردار ملحد چارلس کی موت ۱۸۹۱ء میں واقع ہوئی اور اس کے جنازے میں ۲۱ سالہ ایک نوجوان موجود تھا جس کا نام موہن داس گاندھی تھا، جس نے آگے چل کر بھارتی سیکولر آئین کی بنیاد رکھی۔

دیکھنے میں آیا ہے کہ مغرب میں آج بھی ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ اپنا عقیدہ چھپا کر محض اقرار کا سہارا لے کر کئی ملحد عیسائی بن کر پارلیمنٹ کے ممبر بنے، جن کی اصلیت بعد میں سامنے آئی۔ ان دونوں الفاظ کے قانونی اثرات کیا ہیں؟ یہ ثانوی بات ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ ن لیگ کو آخر ۹۹٪ مسلمان آبادی والے ملک میں حلف کو اقرار میں بدلنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

یہ مسئلہ تو مغرب کی ان ریاستوں میں پیش آیا یا آتا رہا ہے جو مکمل سیکولر اور لادین ہیں، کیونکہ وہاں بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کسی بھی مذہب کو نہیں مانتے اور کسی ایسی ہستی پر یقین نہیں رکھتے، جسے وہ خدا یا اس کے برابر سمجھتے ہوں اور اس کی قسم کھانے کے لیے تیار ہوں، جبکہ ایک اسلامی ملک میں جس کے آئین میں بالادستی قرآن وسنت کی ہو اور حلف اور قسم کی بے انتہا اہمیت ہو، وہاں اس قسم کی خوفناک تبدیلی محض دفتری غلطی نہیں، بلکہ ایک گہرا وار ہے جو باقاعدہ سوچے سمجھے منصوبہ کے تحت کیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکمران جماعت واضح طور پر ملک کی نظریاتی اَساس پر حملہ آور ہو کر اس کو لبرل ازم کی راہ پر گامزن کرنا چاہتی ہے، تاکہ عالمی طاقتوں کی مکمل سپورٹ حاصل کر کے اپنا اقتدار مستحکم کیا جا سکے اور سیکولرازم کی بنیادوں کو پاکستان کے آئین میں مضبوط کیا جا سکے۔

اب یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہ باقاعدہ سیکولرازم کا شب خون پاکستان کے آئین پر مارا گیا ہے، مگر اس کا ختم نبوت سے کیا تعلق ہے؟ اس کے لیے ہمیں چند ایک باتوں کی طرف غور کرنا ہوگا۔ سابق وزیراعظم نواز شریف کو عدالت میں جھوٹ بولنے کی بنیاد پر نااہل قرار دیا گیا، جبکہ اب انتخابی اصلاحات بل کے نام پر جو ترمیم شدہ قانون قومی اسمبلی میں منظور کیا گیا ہے، اس کے مطابق آئندہ جھوٹ بولنے والے کو نااہل قرار نہیں دیا جا سکے گا۔

اراکینِ اسمبلی کے حلف نامہ میں ختمِ نبوت کی شق سے متعلق دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس کی عبارت جوں کی توں ہے، لیکن اس میں ڈیکلریشن پلس اوتھ کی جگہ صرف ڈیکلریشن/ ایفرمیشن لکھ کر

اوتھ کا لفظ ختم کر دیا گیا ہے، یعنی قسم اور حلفاً اقرار کے الفاظ کلی طور پر حذف کر دیے گئے ہیں۔ ہم اگر ان باتوں کی جانب تھوڑا غور کریں تو اس کے خوفناک نتائج واضح طور پر سمجھ میں آتے ہیں اور صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ سب کچھ گہری سازش کے تحت کیا گیا ہے۔

اس لیے کہ ختمِ نبوت کے حوالہ سے اس تبدیلی کے بعد اب اگر کوئی مرزائی ختمِ نبوت کا جھوٹا اقرار کر کے اسمبلی پہنچ جائے اور بعد میں اس امر کا پتہ چلے کہ یہ تو مسلمان نہیں بلکہ قادیانی ہے تو حالیہ ترمیم کی وجہ سے صرف جھوٹ بولنے کی بنیاد پر اُسے نااہل قرار نہیں دیا جا سکے گا، کیونکہ حلف کے الفاظ تو پہلے ہی حذف کر دیے گئے ہیں، یعنی اس انداز میں قانونی تبدیلی کی گئی ہے اور تھوڑا جھول رہ جائے اور آئندہ ملحد قسم کے لوگوں اور ختمِ نبوت کو تسلیم نہ کرنے والے قادیانیوں کو فائدہ پہنچایا جا سکے۔

ڈاکٹر محمد مشتاق، ڈین فیکلٹی آف شریعہ اینڈ لاء اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد نے اس موضوع سے متعلق ایک اور اہم نقطہ کی طرف اشارہ کیا ہے' اسے بھی سمجھنا ضروری ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نئے قانون کی سب سے خطرناک ترین حقیقت یہ ہے کہ ۲۰۰۲ء کے قانون کی دفعہ ۷ (ذیلی دفعہ س) کی منسوخی کے بعد اب قادیانی یا لاہوری گروپ کے کسی ووٹر کو مسلمانوں کی ووٹر لسٹ سے نکالنے کا کوئی قانونی طریقہ باقی نہیں رہا۔ اس سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ تبدیلیاں کس کے کہنے پر اور کس کو خوش کرنے کے لیے کی گئی ہیں۔

سوال ہے کہ یہ تمام حقائق واضح ہونے کے بعد کیا اب بھی کسی ثبوت کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ عقیدۂ ختمِ نبوت اور پاکستان کے نظریاتی تشخص کو پامال کرنے کی اس ناپاک جسارت کی بلاتفریق مذمت کرنی چاہیے، بلکہ اس سازش کے پیچھے کارفرما عناصر کے اصل عزائم کو قوم کے سامنے لاکر قانونی کارروائی کرنی چاہیے، تاکہ آئندہ چور راستوں سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے متفقہ آئین اور نظریہ کے خلاف ہونے والی سازشوں کو روکا جا سکے۔''

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد وعلٰی آلہٖ وصحبہٖ أجمعین

دارالعلوم دیوبند! (ایک جائزہ)

محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

آج سے تقریباً ۸۰ر سال قبل مصر کے ہفت روزہ ''الاسلام'' میں محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک عربی مضمون شائع ہوا تھا، جس کا اردو ترجمہ بعد میں جامعہ رشیدیہ ساہیوال کے ترجمان رسالہ ''الرشید'' کی اشاعتِ خاص ''دارالعلوم دیوبند نمبر'' ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا، مضمون کا مختصر تعارف حضرت نے اپنے قلم سے یوں فرمایا تھا:

''ماہنامہ ''الرشید'' کے خاص نمبر ''دارالعلوم دیوبند نمبر'' کے لیے راقم الحروف بنوری سے عزیزم عبدالرشید ارشد نے مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی، ضعیف اور عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے جدید مضمون لکھنے سے قاصر رہا۔ آج سے تقریباً ۴۰ر سال قبل قاہرہ میں ایک مضمون عربی میں ایک ہفت روزہ رسالہ ''الاسلام'' میں وہاں کے فضلاء کے مطالعہ کے لیے لکھا تھا کہ وہ دارالعلوم کی خدمات سے واقف ہوسکیں، اس کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ ۴۰ر سال پہلے دارالعلوم کا جو کارنامہ تھا، بعد میں دارالعلوم دیوبند نے بہت سے جدید کارنامے اور آثارِ مبارکہ اضافہ کیے ہیں، ان کا ذکر اس میں نہ ملے گا، یہ بات پیشِ نظر رہے۔'' [**محمد یوسف بنوری**]

افادیت کے پیشِ نظر مذکورہ بالا تحریر ماہنامہ ''بینات'' میں اِفادۂ عام کے لیے پیش خدمت ہے۔''

زمانے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ نفحات ہیں، وہ ایک قوم کو خاص ترجیحی مآثر عطا کرتا ہے اور دوسری قوم کو دیگر خصائص سے مشرف کرتا ہے۔ کبھی قوموں کو یہ خصائص عطا کرتا ہے اور کبھی اُن سے روک لیتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: ''اور ان ایام کو ہم بدلتے رہتے ہیں لوگوں میں۔'' نیز ارشاد ہے: ''یہ اللہ کی سنت ہے جو گزر چکی ہے اس کے بندوں میں۔'' قرونِ اولیٰ کی بات رہنے دیجئے جن میں قرآن وسنت اور حدیث کے چشمے اُبل رہے تھے، قرونِ متوسطہ چوتھی صدی سے آٹھویں صدی تک ہی کو لیجئے، آپ دیکھیں گے کہ اس دور میں خطۂ عرب، حجاز، عراق، شام، اُندلس، مصر اور خراسان وماوراء النہر کے علاقے کتاب وسنت اور دیگر علومِ دینیہ سے بکثرت بہرہ ور ہیں اور ان میں بلند پایہ حفاظِ حدیث وناقدینِ رجال، مایہ

نازائمۂ فقہ اور حاملینِ دین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آئے گا، جن کی کثرت سے عقل حیران ہے۔

حافظ خطابی الشافعی، ابوعمر قرطبی مالکی، حافظ عز الدین، ابن عبد السلام الشافعی، حافظ ابن دقیق العید، حافظ فضل اللہ تورپشتی حنفی، حافظ علاء الدین المارد ینی حنفی، حافظ علاء الدین مغلطائی، حافظ ابن حجر اور اس پائے کے دیگر جہابذۂ امت، اس دور میں آسمانِ علم وفضل کے درخشندہ ستارے بن کر چمکے اور ایک عالم کو اپنی روشنی سے منور کیا۔

لیکن اس دور میں سرزمینِ ہند بنجر نظر آتی ہے اور وہ مذکورہ بالا علاقوں کے عبقری افراد کے شانہ بشانہ چلنے سے قاصر ہے، بلاشبہ اس دور میں بھی کچھ سربرآوردہ افراد پیدا ہوئے اور باہر سے یہاں آئے، لیکن اُن کے آثار ونشانات اَنمٹ ثابت نہ ہوئے، تاکہ اللہ تعالیٰ نے خطۂ ہند پر احسان فرمایا اور عبقری امام، نابغۃ الایام، الامام الحجۃ شاہ ولی اللہ فاروقی دہلویؒ کو پیدا کیا، جب کہ ہندوستان کے اُفق پر غالی شیعوں اور رافضیوں کے سیاہ بادل منڈلا رہے تھے، قریباً سارے ہندوستان پر ان کا تسلط تھا، بدعات راسخ ہوچکی تھیں اور سنت کی رسی بوسیدہ ہورہی تھی۔

نوامیسِ فطرت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت جاری ہے کہ ایک جماعت تاقیامت حق پر قائم رہے گی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر آئندہ نسل میں ایسے رجالِ کار کو کھڑا کرتا رہے گا جو دین سے غالیوں کی تحریف اور باطل پرستوں کے غلط ادعاء کی اصلاح کرتے رہیں گے، چنانچہ اسی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس امام کے ذریعے ملتِ حنیفیہ کے ستونوں کو مضبوط کیا، قرآن وسنت کے علم صحیح کی بنیاد ڈالی اور قوم کی بدحالی کا مداوا کیا، اُن کے بعد اُن کی اولاد واحفاد کے ذریعے ولی اللّٰہی تحریک پروان چڑھی اور اس کے حسنِ روزافزوں کو چار چاند لگے۔

پس ہندوستان میں یہ پہلی دینی وعلمی تحریک تھی، جس کی بنیادیں نہایت راسخ اور جس کی عمارت بلند وبالا تھی۔ امام ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جدید علمی تحریک اور شیعوں کی دستبرد سے اہلِ سنت والجماعت کے مسلک کی حمایت وحفاظت کا بار اُن کے فرزندِ اکبر شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اُٹھایا اور اُن کی تحریکِ دینی اور مروّجہ بدعات کی اصلاح وتردید کو سنبھالنے کا فریضہ شاہ اسماعیل شہید بن شاہ عبد الغنی بن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہم نے انجام دیا، یوں ان دو شخصوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی واصلاحی تحریک کی تکمیل کرائی۔

بعد ازاں جب ویرانۂ ہند پر حکومت کے منحوس سائے پھیلنے لگے اور اس کے جبر واستبداد اور تسلُّط کو استحکام نصیب ہوا، تو ولی اللّٰہی تحریک کے انوار مٹنے لگے اور اس بادِ سموم سے اس کی تروتازہ شاخیں پژمردہ ہونے لگیں۔ اُدھر برٹش گورنمنٹ کے تکبر وخودسری میں اضافہ ہوا جس کے نتیجے میں حکومت اور مسلمانوں کے درمیان ۱۸۵۷ء کا معرکہ ہوا، جس میں بدقسمتی سے حکومت کو غلبہ اور مسلمانوں کو

شکست ہوئی، اس سے حکومتِ برطانیہ کی تیزی وتندی میں مزید اضافہ ہوا، اس کا تسلُّط اور بھی مستحکم ہوگیا۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس کی انتقامی سازشوں سے دین کی بنیادیں ہلنے لگیں اور شعائرِ اسلام ایک ایک کرکے مٹنے لگے۔ ان بھیانک تاریکیوں میں ایک گمنام سے خطے میں جو دارالسلطنت دہلی سے تقریباً سومیل کے فاصلے پر واقع ہے، روشنی کی صُبحِ صادق نمودار ہوئی، یہ مبارک خطَّہ قصبۂ دیوبند ہے، چنانچہ عارف باللہ الشیخ مولانا محمد قاسم نانوتوی دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۸۳ھ میں ایک دینی وعلمی مرکز کی بنیاد رکھی، جو آج دارالعلوم اور جامعہ قاسمیہ کے نام سے شہرۂ آفاق ہے۔ یہ روشنی بتدریج پھیلتی چلی گئی، یہاں تک کہ اس سے دُور دراز کے تاریک علاقے بھی منور ہوگئے اور خطۂ ہند سے جہل کے پردے ہٹ گئے اور پھر اُس کا فیضان خطۂ ہند سے نکل کر جاوا، ساٹرا، چین، جنوبی افریقہ، افغانستان اور ایران تک پہنچا اور ان شاء اللہ! اس کے نور وضیاء اور حسن وبہار میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے گا۔

جو حقائق میری آنکھوں کے سامنے ہیں وہ مجھے مجبور کررہے ہیں کہ میں علیٰ رؤس الاشہاد یہ دعویٰ کروں کہ اگر سرزمینِ دیوبند سے علم ومعرفت کا یہ چشمۂ صافیہ نہ بہہ نکلا ہوتا تو تیرہویں صدی کے اَواخر میں ہندوستان سے قرآن وسنت کے علوم کا خاتمہ ہوگیا ہوتا۔

میں یہاں اس عظیم الشان دانش کدہ کی ابتدائے تاسیس سے لے کر اسلامی صدی کے نصف تک کے ۷۰/ سالہ دور کے آثار وبرکات کی جانب چند اشارات کرنا چاہتا ہوں:

دیوبند اور افراد سازی

جن حضرات نے اس دارالعلوم میں داخل ہوکر اُس کے درجاتِ عالیہ میں درس لیا، مگر اس کے پورے نصاب کی تعلیم نہیں پائی، اُن کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے اور جو حضرات اس کے مقررہ نصاب کی تکمیل کے بعد دارالعلوم کی آخری سند سے مشرَّف ہوئے، ان کا شمار پانچ ہزار تک پہنچتا ہے اور ان میں سے وہ نابغہ شخصیتیں جنہوں نے علم وحکمت کے دروازے کھولے اور ہندوستان میں مختلف جہتوں سے فیض کے چشمے جاری کیے، ان کی تعداد ایک ہزار نفوسِ قدسیہ سے کم نہیں۔ ۱۳۵۰ھ سے ۱۳۵۷ھ تک دارالعلوم سے فیض یاب ہونے والے طلبہ کا سالانہ داخلہ ڈیڑھ ہزار ہے اور ان میں دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ یہ صرف وہ طلبہ ہیں، جو خاص دارالعلوم میں اِقامت پذیر ہیں، ان طلبہ کی تعداد اس کے علاوہ ہے، جو دارالعلوم سے وابستہ مدارس میں تعلیم پاتے ہیں اور مجموعی طور پر ان دینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء کرام کی تعداد اس سے کئی گنا زیادہ ہے، جو میں اُوپر ذکر کرچکا ہوں۔

دیوبند اور تاسیسِ مدارس

جو حضرات اس شیریں اور فیاض چشمہ (دارالعلوم دیوبند) سے سیراب ہوکر نکلے، انہوں نے اپنے اپنے علاقے میں بے شمار مدارسِ دینیہ کی بنیادیں اُستوار کیں، اس وقت ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہے، تاہم جو

مدارس اس جامعہ (دارالعلوم دیوبند) سے منسوب ہیں، ہندوستان میں ان کی تعداد ایک ہزار سے زائد ہوگی۔

ان میں سے بعض مدارس وہ ہیں جن کی بنیاد فضلائے دارالعلوم نے خود رکھی، بعض ایسے ہیں جن کو فضلائے دارالعلوم کے مبارک ہاتھ تدریس واہتمام کی شکل میں چلا رہے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کا دارالعلوم سے امتحانی رابطہ ہے اور سالانہ امتحان کے پرچے دارالعلوم سے ارسال کیے جاتے ہیں، مگر یہ مدارس کسی محکمۂ اوقاف کے زیرِ انتظام چل رہے ہیں، نہ کوئی مخصوص جماعت ان کی کفیل ہے، تاکہ جامعہ از ہر سے متعلقہ مدارس کی طرح ان میں انتظامی وحدت ہوتی، بلکہ ہر مدرسہ اپنے اُمور ومعاملات میں مستقل ہے، بہرحال یہ جامعہ دارالعلوم دیوبند ان تمام دینی مدارس کی اصل بنیاد (اُم المدارس) ہے جو سرزمینِ ہند کو منور کررہے ہیں۔

دیوبند کی نابغہ اور سرآمد روزگار شخصیتیں

علماء دیوبند میں سب سے اول جن حضرات کو سیادت وقیادت کا شرف حاصل ہوا وہ تین افراد تھے جن کے سینوں میں پاک صاف دل اور اُن کے دماغ میں بلند پایہ اسلامی افکار وعلوم کا وسیع سمندر تھا۔

۱......الشیخ الامام عارف باللہ مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۲۹۷ھ)

۲......الفقیہ المحدث العارف مولانا الشیخ رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۳۲۳ھ)

۳......بحرِ بیکراں الشیخ مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: ۱۳۰۴ھ)

ان حضرات کے خصائص کی تفصیل کے لیے مستقل فرصت درکار ہے۔ مختصر یہ کہ یہ حضرات علومِ کتاب وسنت اور علومِ ظاہر وباطن کے جامع اور عارفین اور اصحابِ قلوب کی وراثت کے امین تھے، انہوں نے پہاڑ سے زیادہ راسخ عزائم کے ساتھ ورع وزہد، انکسار وتواضع، شہرت سے نفرت اور اتباعِ سنت ایسے بلند پایہ اخلاق وشمائل کو اس حد تک جمع کرلیا تھا کہ اخلاقِ عالیہ میں یہ حضرات اپنے دور میں ضربُ المثل تھے، ان کی تعریف میں راقم الحروف کا یہ قصیدہ ہے:

همم لهم في الدهر درة تاجهم	كلم لهم تشفي الصدى صلصال

''ان کا عزم وہمت زمانے میں ان کے تاج کا موتی ہے۔ ان کے کلمات سے خشک لب تشنۂ سیراب ہوتا ہے۔''

سمت وصمت و الوقار و هيبة	علم غزير هامي هطال

''خوش روئی، خاموشی، وقار، ہیبت، بے پناہ برسنے اور بہنے والا علم۔''

لهم التواضع والرزانة والتقى	فضل لهم ضربت به المثال

''ان کی تواضع، رزانت ومتانت اور تقویٰ، وطہارت کے فضائل ضرب المثل ہیں۔''

وتلألأت أنوارهم بوجوههم	هدى النبيؐ جمالهم وجلال

’’ان کے اَنوار اُن کے چہروں سے چمکتے ہیں، ان کا جلال و جمال طریقۂ نبویؐ کی تفسیر ہے۔‘‘

کــــرم وخــلــق عــفّة وديــانة	هـدى الـصـحـابةؓ حـالهم ومقـال

’’کرم، اخلاق، عفت ودیانت میں ان کا قول وعمل صحابہؓ کے نقشِ قدم پر ہے۔‘‘

بــاهــي جــمــالُهم جمالَ شـريعة	فهــي جـــمـــال وزاد كـمـــال

’’ان کے ذاتی جمال کا جمالِ شریعت سے آمیزہ ہوا، تو ان کے جمال کو چار چاند لگ گئے اور کمال میں اضافہ ہوا۔‘‘

وبهـى كـمــالُهـم كـمـالَ علومهم	عـنـد التبـاهـى فاسـتـزاد جمـال

’’اور بوقتِ مقابلہ کمالِ علوم کے ساتھ ان کا ذاتی کمال غالب آیا اور اُن کے حسن و جمال میں اِضافہ کا موجب ہوا۔‘‘

دع وصف قــوم أزهـرت آثـارُهـم	فـالشـمـس البهـر والمديح خيال

’’اس قوم کی کیا تعریف کی جائے جن کے آثار تاباں و درخشاں ہیں، پس آفتاب خود ہی روشن ہے اور مدح وثناء خیالِ محض ہے۔‘‘

والشمس طالعة زهت أنوارها	والوصف يقصر والمجال حجال

’’اور آفتاب طلوع ہے اس کے انوار خود چمکتے ہیں، وصف قاصر رہتا ہے اور گفتگو کی مجال وسیع ہے۔‘‘

ان حضرات کے بعد قیادت مندرجہ ذیل حضرات کے سپرد ہوئی:

۱...... مسند الوقت، شیخ العصر، الاستاذ الامام، شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۹ھ)

۲...... عارف باللہ الشیخ مولانا عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۳۷ھ)

۳...... شیخ المحدث مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ بالمدینۃ المنورۃ ۱۳۴۶ھ ودفن بالبقیع)

ان کے بعد شیخ محدث حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی طال بقائہٗ اور الشیخ امام العصر الشاہ محمد انور الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۵۲ھ) اور موجودہ دور میں اس کے ستون جن پر اس کی عمارت قائم ہے چار نفوس ہیں:

۱:...... الشیخ مولانا اشرف علی تھانوی۔

۲:...... محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی، صاحب فتح الملہم شرح صحیح مسلم، شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔

۳:...... شیخ العصر مولانا الشیخ حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔

۴:...... فاضل محقق مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلوی، صدر جمعیت علماء ہند۔

مسلمانوں کی رہنمائی اور بیداری میں ان چاروں حضرات کی مساعی جمیلہ قابلِ تشکر ہیں،

انہوں نے مسلمانوں کے لیے علم وعمل اور دین وسیاست کا بہت اونچا معیار قائم کیا ہے اور اُن کے لیے علمی وسیاسی اور اجتماعی وانفرادی مسائل پر غور وفکر کرنے کی راہیں کشادہ کردی ہیں۔ یہ حضرات پختہ فکر، ذہن رسا، صدقِ عمل اور خلوصِ نیت کے جامع ہیں، ان کے چہروں سے علم وحکمت کا نور جھلکتا ہے اور قبول وکمال کی علامات نمایاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ امت کے لیے ان کی نافع زندگی کو عافیت وسلامتی سے ہم کنار کرے اور عزت وکرامت کے ساتھ ان کی مساعیِ مبارکہ میں برکت فرمائے۔

علمائے دیوبند اور ان کے علمی آثار

علمائے دیوبند نے تفسیر وقرآن، شرحِ حدیث، اُصولِ فقہ، فقہ حنفی، فرائض، توحید وعقائد، سیرت وآداب اور دیگر علوم وفنون میں نیز فرقِ باطلہ، عیسائیت، ملاحدہ، دہریت، مرزائیت، قادیانیت اور غالی شیعوں کے رد میں، نیز دینِ متین کی حفاظت اور مبتدعین کے رد اور غیر مقلدین کی بعض سینہ زوریوں کی تردید میں جو کتابیں تالیف فرمائی ہیں، ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہے، جن میں چھوٹے چھوٹے رسائل سے لے کر کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں شامل ہیں۔ یہ مقدار صرف اکابر اور نابغہ شخصیتوں کی تالیفات کی ہے، دارالعلوم کے دیگر فضلاء اور منتسبین کی تالیفات مزید برآں ہیں۔ ان تمام کتابوں کے نام کی تفصیل کے لیے ایک مستقل کتاب درکار ہے۔ ان اکابر میں سے صرف ایک مصنف حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تصنیفات ۵۰۰ سے زائد ہیں، ان میں سے بعض کتابوں کی دو سے لے کر بارہ تک جلدیں ہیں، یہاں تک کہ موصوف کثرتِ تالیف میں قاہرہ کے نابغہ عالم شیخ جلال الدین سیوطیؒ سے بھی فائق ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ اس نابغۂ ہند کی کتابیں اتقان وتحقیق میں نابغۂ مصر کی کتابوں سے فائق ہیں۔ ہاں! سیوطیؒ کی وسعتِ معلومات اور اُن کے حیرت افزا تبحر کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ شیخ تھانوی کی ان کتبِ مذکورہ میں سے بیشتر ملکی زبان اردو میں ہیں، لیکن عربی میں بھی کم نہیں۔ پھر ان تالیفات کے علاوہ آپ کے وہ مواعظ وملفوظات ہیں، جو آپ نے مختلف مجالس اور جلسوں میں بیان فرمائے اور جن میں بہت سے علوم اور بلند پایہ تحقیقات ہیں۔

علمائے دیوبند میں سے صرف ایک عالم مولانا الشیخ الفقیہ عزیز الرحمٰن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف سوالات کے جواب میں پچاس ہزار فتاویٰ صادر فرمائے۔ ان کے فتاویٰ دارالعلوم کے کتب خانے میں محفوظ ہیں اور شیخ تھانوی کے فتاویٰ کی (۵) ضخیم جلدیں طبع ہوچکی ہیں اور شیخ محدث وفقیہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ (۳) جلدوں میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس طرح ان حضرات کے علم ونفع کثیر کا دنیا میں چرچا ہے۔ میں یہاں ان حضرات کی ان کتابوں کا اجمالی تذکرہ کرتا ہوں، جو تفسیرِ قرآن، شرحِ حدیث، شروحِ کتبِ حدیث اور علم وادب سے متعلق ہیں۔

علمائے دیوبند اور تفسیرِ قرآن

۱:......ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، بزبانِ اردو، اس پر عجیب وغریب فوائد تحریر فرمانے کا سلسلہ شروع کیا تھا، مگر ان کی تکمیل نہ فرما سکے۔

۲:......تکملہ فوائد شیخ الہندؒ، از محققِ عصر مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، سورۂ آلِ عمران اور سورۂ مائدہ سے آخرِ قرآن تک۔

۳:......تفسیرِ بیان القرآن، ۱۲ رحصص از مولانا اشرف علی تھانوی، جو نفائسِ جلیلہ پر مشتمل ہے۔

۴:......خلاصۂ تفسیر بیان القرآن، از مصنف موصوف۔

۵:...... فتح المنان فی تفسیر القرآن، از مولانا عبد الحق دہلوی دیوبندی (تحصیلاً) آٹھ ضخیم جلدوں میں یہ تفسیر عربی اور اُردو دونوں میں مشتمل ہے اور اس میں بلند پایہ فوائد ہیں۔

۶:......البیان فی علوم القرآن، از مولانا عبد الحق موصوف، یہ بہت ہی عمدہ کتاب ہے، اس کا انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

۷:......ترجمۂ قرآن، مولانا عاشق الٰہی، مع فوائدِ تفسیریہ (اردو)

۸:......مشکلات القرآن، از امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری (عربی)

۹:......اعجاز القرآن، از محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی

۱۰:......حاشیہ تفسیر بیضاوی کامل، از مولانا عبد الرحمٰن امروہی (عربی)

۱۱:......حاشیہ تفسیرِ جلالین، از مولانا حبیب الرحمٰن دیوبندی سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۲:......سبق انعامات فی نسق الآیات (عربی) از حکیم الامت تھانوی

۱۳:......رسالہ اسرارِ قرآنی (اردو) از مولانا محمد قاسم نانوتوی آپ کا ایک رسالہ آیاتِ قبلہ کے اسرار میں ہے۔

۱۴......درسِ تفسیرِ قرآن (اردو) از مولانا حسین علی پنجابی، تلمیذ حضرت شیخ گنگوہیؒ۔

۱۵......تقریرات متعلقہ تفسیرِ قرآن: از مولانا عبید اللہ سندھی دیوبندی جو اُن کے بعض تلامذہ نے قلم بند کیں۔

۱۶......حاشیۂ تفسیر مدارک، تا بقرہ از بعض علمائے دیوبند۔

۱۷......فوائد تفسیریہ، از مولانا احمد علی لاہوری جو مولانا سندھی سے مستفاد ہیں۔

۱۸......قرآن کریم کی چند سورتوں سے متعلقہ چند رسائل، از مولانا احمد علی لاہوری، یہ بھی مولانا سندھی سے مستفاد ہیں۔

نوٹ: (مولانا احمد علی لاہوری کے نام کا محمد علی لاہوری قادیانی کے نام سے التباس نہ ہونا چاہیے، مولانا احمد علی اہل حق میں سے ہیں اور محمد علی لاہوری طائفہ قادیانیہ مرزائیہ کے بڑے طاغوتوں میں سے تھا۔ قادیانیت کے بانی اور اس کے موافقین کی تکفیر پر علمائے ہند کا اجماع ہے، ان برخود غلط دعاوی کی بنا پر جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مسٹر محمد علی لاہوری نے بھی بیان القرآن کے نام سے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں ہذیانات اور اباطیل ہیں، پس متنبہ رہنا چاہیے۔)

۱۹...... شیخ محقق تھانوی کے دو رسالے جن میں سے ایک میں نذیر احمد دہلوی پر اور دوسرے میں مولانا احمد علی کے رسائل پر تنقید کی ہے۔

۲۰...... ہدیۃ المہدیین فی تفسیر آیت خاتم النبیین، از مولانا محمد شفیع دیوبندی، خاصا بڑا اور عجیب رسالہ ہے۔

۲۱...... خاتم النبیین: امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کا آیتِ خاتم النبیین میں ایک رسالہ ہے، جو بہت ہی عجیب وغریب علوم پر مشتمل ہے۔

۲۲...... عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام از امام العصر مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ آیات کی مبسوط شرح جو بہت سے علوم ولطائف پر حاوی ہے۔ قرآن کریم سے متعلقہ علمائے دیوبند کی تالیفات کا احاطہ بہت ہی دشوار ہے۔ بلا تامل جو فوری طور پر اس وقت ذہن میں آئیں میں نے بطور نمونہ ان کا تذکرہ کردیا، تاکہ علمائے دیوبند کی خدمتِ دین اور خدمتِ قرآن کا قدرے اندازہ ہوسکے، ورنہ تفصیل کے لیے دوسرا موقع درکار ہے۔

حاصل یہ کہ یہ جلیل القدر تالیفات ہیں، جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اُمت کو بہت ہی نفع پہنچایا اور ان کو زمین میں حسنِ قبول عطا فرمایا جس سے توقع ہوتی ہے کہ وہ عنداللہ بھی مقبول ہوں گی، جیسا کہ کہا گیا ہے:

إنا لنرجوا فوق ذٰلک مظهرا

فضلائے دارالعلوم دیوبند کے مآثر میں سے نمازِ فجر کے بعد قرآن کریم کا درس دینا بھی ہے جو ہندوستان کی بہت سی مساجد میں رائج ہے، اس درس کے ذریعے جمہور اُمت اور عوام مسلمین کو جو ضروریاتِ دین سے واقف نہیں، قرآن کے مقاصد کی جانب توجہ دلائی جاتی ہے اور یہ خدمتِ دین کی ایک جدید تحریک ہے اور اس کے آثار بہت ہی عمدہ ہیں، حق تعالیٰ اس میں برکت فرمائے۔

دیوبند اور علم حدیث

علمِ حدیث علمائے دیوبند کی بہت سی تالیفات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہے، یہاں مختصر سی تعداد ذکر کرتا ہوں:

۱:......حاشیہ صحیح بخاری (عربی) از مولانا الشیخ احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ: ۱۲۹۷ھ) موصوف کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں ہوتا ہے اوران کا یہ حاشیہ ایک ضخیم شرح کا حکم رکھتا ہے۔

۲:......بذل المجہود فی شرحِ سنن ابی داؤد (عربی) از مولانا الشیخ خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفیٰ: ۱۳۴۶ھ) ۵ ضخیم جلدوں میں (اوراب مصر سے ۲۰ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔مترجم)

۳:......فتح الملہم فی شرح صحیح مسلم (عربی) از محقق العصر مولانا شبیر احمد عثمانی، پانچ صحیح جلدوں میں۔(دوجلدیں چھپ چکی ہیں، تیسری زیرِ طبع ہے۔افسوس! کہ باقی کی تکمیل نہ ہوسکی۔مترجم)

۴:......فیض الباری بشرح صحیح البخاری (عربی) یہ امام العصر مولانا الشیخ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تقاریر کا مجموعہ ہے، ان شاء اللہ! متعدد جلدوں میں عنقریب مصر سے شائع ہوگی۔

۵:......العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی (عربی) یہ شیخ محدث گنگوہیؒ کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

۶:......الکوکب الدری علیٰ جامع الترمذی (عربی) یہ شیخ محدث گنگوہیؒ کی تقاریرِ درس کا مجموعہ ہے۔

۷:......النفح الشذی شرح الترمذی (اردو) یہ بھی حضرت گنگوہیؒ کی تقریرِ درس ہے۔

۸:......شرح سنن ابی داؤد (عربی) امام العصرؒ کی تقاریر کا مجموعہ، دوجلدوں میں۔

۹:......حاشیہ ابن ماجہ (عربی) از امام العصرؒ۔

۱۰:......اوجز المسالک فی شرح مؤطا امام مالک (عربی) از مولانا الشیخ محمد زکریا کاندھلوی، متعدد ضخیم جلدوں میں، دوجلدیں طبع ہوچکی ہیں۔(کامل چھ جلدیں ہیں اور اب بیروت وغیرہ سے متعدد جلدوں میں شائع ہورہی ہے۔مترجم)

۱۱:......التعلیق الصبیح علیٰ مشکوۃ المصابیح (عربی) از مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، اس کی چار ضخیم جلدیں دمشق سے شائع ہوچکی ہیں۔

۱۲:......اعلاء السنن متعدد اجزاء میں (عربی) اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کی احادیث جمع کی گئی ہیں اور مولانا اشرف علی تھانوی کے زیرِ اشراف تالیف کی گئی ہے۔

۱۳:......الآثار (عربی) از مولانا اشرف علی، اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل ایک جزء میں جمع کیے ہیں۔

۱۴:......شرح شمائل ترمذی (عربی-اردو) از مولانا الشیخ محمد زکریا کاندھلوی۔

۱۵:......النبراس الساری فی اطراف البخاری (عربی) از مولانا عبدالعزیز پنجابی، دوجلدوں میں۔مقیاس الواری کے نام سے اس پر موصوف کا حاشیہ بھی ہے۔

۱۶:......حاشیہ نصب الرایہ للزیلعی (عربی) اس کا نام ''بغیة الألمعی'' رکھا جائے۔مجلسِ علمی کے زیرِ اہتمام مصر میں ''نصب الرأیة'' کے ساتھ زیرِ طبع ہے۔

۱۷:......التعلیق المحمود علی سنن ابی داؤد، از مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ تلمیذ رشید شیخ محدث گنگوہیؒ کا نفیس اور ضخیم حاشیہ ہے۔

۱۸:......حاشیۂ ترمذی، جو شیخ محدث شیخ الہند دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے۔

۱۹:......شرح تراجم بخاری، از شیخ الہند

یہ ان کے مآثر علمی کا مختصر سا جائزہ ہے، جو نسائی کے سوا صحاحِ ستہ کی شروح سے متعلق ہے، جن کتابوں کا نام تذکرے سے رہ گیا ہے، ان کی تعداد بھی معمولی نہیں ہوگی، اس پر ان علمی رسائل کا مزید اضافہ کرلیا جائے جو حدیث کے ابحاث سے مزین ہیں، مثلاً: **إیضاح الأدلة، أوثق العری، أحسن القری، القطوف الدانية، إسراء النجيح، المصابيح، فصل الخطاب، خاتمة الخطاب، كشف الستة، نيل الفرقدين** ۔ان کے علاوہ دیگر رسائل جو احادیث وفقہ کے مختلف موضوعات پر ان اکابر نے تالیف فرمائے ہیں اور اس مقالے میں ان سب کے تذکرے کی گنجائش نہیں۔

دیوبند اور علم وادب

علمائے دیوبند نے علم وادب پر بھی بڑی عمدہ اور نافع کتابیں تالیف کی ہیں، چند نام حسبِ ذیل ہیں:

۱:......شرح حماسہ از مولانا فیض الحسن سہارنپوری، تلمیذ حضرت گنگوہیؒ، یہ نفیس شرح ''فیضی'' کے نام سے معروف ہے۔

۲:......تسہیل الدراسہ شرح دیوانِ حماسہ (عربی- اردو) از مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ والد ماجد شیخ العصر مولانا شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ۔

۳:......التبیان شرح دیوانِ متنبّی، از مولانا موصوف۔

۴:......التعلیقات علی سبع المعلقات، از مولانا موصوف ایضاً۔

۵:......عطر الوردۃ فی شرح البردۃ، ایضا، نفیس شرح ہے۔

۶:......ارشاد الی بانت سعاد، ایضاً، قصیدہ کعب بن زبیرؓ کی عجیب شرح۔

۷:......فتح المغلقات شرح المعلقات، از مولانا نظام الدین کیرانوی۔

۸:......شرح حماسہ، از مولانا محمد اعزاز علی امروہی، شیخ الادب دار العلوم دیوبند۔

۹:......شرح دیوانِ متنبّی، ایضاً۔

۱۰:......التعلیقات شرح المقامات، از مولانا نور الحق، تلمیذ مولانا محمود حسنؒ، استاذ الادب کالج لاہور۔

۱۱:......درایۃ المتیقظ علی کفایۃ المتحفظ لابن الاجدابی، از بعض فضلائے دیوبند۔

۱۲:......حاشیہ نفحۃ الیمن، از مولانا محمد شفیع دیوبندی۔

پس یہ قرآن وحدیث اور ادب سے متعلق آثار ہیں اور یہ جواہر علمائے دیوبند کے قلم کے رہینِ منّت ہیں، ان کے علاوہ اُصولِ فقہ، فقہ حنفی، علمِ عقائد، فرائض، تصوف، سیرتِ نبویہ اور تاریخِ اسلام وغیرہ سے متعلق اکابرِ دیوبند کی تصانیف بے شمار ہیں، جن کے تعارف کے لیے دوسرا موقع درکار ہے۔ ان تمام اُمور سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے ساری عمر درس وتقریر کے ذریعے قوم وحیاتِ علمی کی روح پھونکنے میں اپنی زندگی صرف کردی اور ان مآثرِ جلیلہ کے مقابلے میں مذکورہ بالا آثار بہت ہی معمولی ہیں۔ مختصر یہ کہ یہ علمائے دیوبند ہیں اور یہ ان کے آثار ہیں جو ان کی علمی خدمت میں بلندیِ مرتبت پر شاہد ہیں۔ توقع ہے کہ ایک تجربہ کار صاحبِ بصیرت ان آثار کی قدر شناسی کرے گا، اگر ایسے قلب میں انصاف اور فکر میں بصیرت عطا کی گئی ہو۔ اور ان کی آثار کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اس وقت ہوسکتا ہے جب کہ ہندوستان کے جمہور مسلمانوں میں اس کی تاثیرات کوملاحظہ فرمایا جائے:

تلک آثارنا تدل علینا
فانظروا بعدنا إلی الآثار

اگرتم چاہتے ہو کہ ایسے مردانِ راہ کی زیارت کرو جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک وجاہت رکھتے ہوں، مگر انسانوں میں گمنامی کو پسند کرتے ہوں تو ان علمائے دیوبند کو جاکر دیکھو، اگر صحف ومجلّات اور اخبار وجرائد میں ان کا ذکر نہیں تو نہ ہو، ان کا ذکرِ خیر مخلوق کی زبانوں پر ہے، قلوب ان کی گواہی دیتے ہیں، عالم کے بینات اور کائنات کے صحیفے ان کے شاہدِ ناطق ہیں اور اگر اس سے کچھ لوگ جاہل یا متجاہل ہیں، تو کچھ افسوس اور شکایت نہیں اور چونکہ جو چیز کہ اللہ کے پاس ہے وہ زیادہ بہتر اور پائدار ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ دیوبندی تحریک یا صحیح معنوں میں ہندوستان کی دینی وعلمی تحریک دراصل اسی دہلوی تحریک کی تجدید ہے، جس کے لیے امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادگانِ گرامی قدر اُٹھے تھے اور دوسری جہت سے دیکھئے تو یہ اس تحریک کی تکمیل اور تشید ہے، پس اکابرِ دیوبند اس جماعت کا نام ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ دین، خدمتِ علمِ دین، خدمتِ علومِ قرآن وسنت کے لیے منتخب فرمایا اور اس بیان پر تعجب کیوں کیجئے! آفتاب اپنے مطلع سے طلوع ہو چکا ہے اور چیز اپنے معدن میں اجنبی نہیں رہی، اس کی بُوئے عنبریں اقطارِ ہند میں مشامِ جاں کو معطر کررہی ہے اور اس کے چشمے اُبل اُبل کر زمین کے اطراف واکناف کو سیراب کررہے ہیں۔ اس کے انوار وبرکات آفاق وبلاد کو روشن کررہے ہیں اور یہ روشنی صفحاتِ ایام پر مسلسل پھیلتی جائے گی۔

پس یہ ہیں علمائے دیوبند اور ان کا علمی مرکز

إن فی ذٰلک لذکری لمن کان لهٗ قلب أو ألقی السمع وهو شهید

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

مکاتیب علامہ محمد زاہد کوثری رحمۃ اللہ علیہ

...بنام...مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وترتیب: مولانا سید سلیمان یوسف بنوری

(آٹھویں قسط)

مکتوب:......۱۴

جناب صاحبِ فضیلت، مولانا، علامہ یگانہ ومحققِ یکتا سید محمد یوسف بنوری أمتع اللّٰہ المسلمین بعلومہٖ، ومد فی عمرہٖ السعید (اللہ تعالیٰ آپ کے علوم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے اور عمرِ سعید طویل فرمائے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گزشتہ شعبان میں آپ کے ارسال کردہ مکتوب کا جواب میں نے مولانا سید احمد (رضا) بجنوری کو لکھے گئے جواب کے ضمن میں لکھ دیا تھا، شاید آپ کے سفرِ پشاور اور اُستاذ بجنوری کے سفرِ بجنور سے قبل آپ کو موصول نہیں ہوا، اور دونوں خطوط بعد میں پہنچے ہوں گے، پھر (طباعتی) حروف[1] کی خریداری کے حوالے سے حاجی یوسف میاں[2] کی رہنمائی کے متعلق استاذ بجنوری کا خط پہنچا۔ مولانا ابوالوفاء افغانی نے حجازی ٹرین کے ذریعے والد ماجد[3] کی معیت میں آپ کی آمد کی خبر دی تو مجھے واپسی کے سفر میں، خواہ چند روز سہی، آپ کے روشن چہرے کی زیارت کا شرف حاصل ہونے کی طمع ہوئی، تاکہ ہماری کچھ پیاس بجھتی۔ بعدازاں ہمارے مشترکہ دوست استاذ محمود حافظ[4] اور حاجی یوسف کی معرفت آپ کا والا نامہ مجھے موصول ہوا، اور معلوم ہوا کہ آپ مصر سے گزرے بغیر ہی واپسی کا ارادہ رکھتے ہیں تو افسوس ہوا۔ امید ہے کہ اللہ سبحانہ خیر وعافیت کے ساتھ ہمارے جمع ہونے کی کوئی صورت پیدا فرما کر ہم پر احسان فرمائیں گے۔ بلاشبہ آپ قابل رشک ہیں کہ تیسری بار اپنے والد بزرگوار کی معیت میں حج وزیارت کا شرف حاصل کر رہے ہیں، یہ بڑی توفیق (کی بات) ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حج وزیارت قبول فرمائے اور آپ کو مزید توفیق عطا فرمائے، آپ کی مقبول دعاؤں کا ہمیشہ امیدوار ہوں، اور آپ کے والد محترم کی دست بوسی کرتے ہوئے دعاؤں کی امید رکھتا ہوں۔

میں نے ’’**نظرة عابرة**‘‘، ’’ڈا ابھیل‘‘ بھیجی تھی، جو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق شلتوت کے پانچ مقالات میں (اس حوالے سے) اس کے نظریات کے رد میں ہے، اور ایک دوست سید عبداللہ غماری کی ’’**إقامة البرهان**‘‘ اور شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری کی ’’**القول الفصل**‘‘ بھی (ارسال کی تھی)، معلوم نہیں یہ کتابیں پہنچی ہیں یا نہیں؟ پھر استاذ بجنوری کے پتے پر ’’**النكت الطريفة في التحدث عن ردود ابن أبي شيبة على أبي حنيفة**‘‘ کے دو نسخے بھیجے تھے، ان میں ایک آنجناب کے لیے تھا، شاید وہ پہنچ چکے ہوں گے۔ آج حاجی یوسف براہِ قدس وعراق، ہندوستان لوٹ رہے ہیں، احتیاطاً انہیں (’’**النكت**‘‘ کے) دو نسخے اور ’’**نظرة عابرة**‘‘ دے دی ہے۔

’’**النكت**‘‘ تصحیح شدہ نہیں، اور تصحیح کے مقامات آنجناب پر مخفی نہ ہوں گے۔ اللہ عز وجل سے دعا گو ہوں کہ دوستوں کے ساتھ مل کر جو روشنی آپ پھیلا رہے ہیں، اس کی ضیا پاشیاں تمام دشواریوں کو عبور کرتے ہوئے بڑھتی رہیں، آپ جیسے شخص کو صبر و مداومت کی تاکید کرنا مناسب نہ ہوگا، جبکہ نیتیں عمدہ ہیں، اگرچہ کسی وقتی ضرورت کی بنا پر بعض اوقات آرزوؤں کے پورا کرنے میں تاخیر ہو جائے۔ (طباعت کے لیے) حروف کی تیاری کے حوالے سے مصر میں ایک عمدہ حروف ڈھالنے کے ماہر کے ساتھ حاجی یوسف کا معاملہ طے ہو گیا ہے، میں نے ان کی آمد سے قبل کسی قدر راہ ہموار کر دی تھی۔ ان کی ترجمانی اور فنِ طباعت کی مہارت کی بنا پر استاذ محمود حافظ کا ان کے ساتھ آنا بہتر ثابت ہوا، (۵) اس کام میں استاذ محمد حلبی (جو پریس کے مالک ہیں) کی بہترین رہنمائی بھی حاصل رہی۔ عنقریب امریکہ یا لندن سے چھپائی مشین منگوائی جائے گی، آپ کے پاس وقت ہے، (اس دوران) بمبئی یا کسی اور جگہ کے پریس میں کمپوزروں کو تیار کر کے انہیں یہ فن سکھایا جا سکتا ہے، کیونکہ حاجی یوسف صاحب نے آپ کو بتلایا ہے کہ حروف چند ماہ بعد ہی تیار ہو سکیں گے، اس لیے کہ ڈھلائی کے اس کارخانے کے گاہک بہت زیادہ ہوتے ہیں، اور اُن کے پاس اتنے آرڈر ہیں کہ (ہمارا) مطلوبہ کام (مقررہ) مدت کے بعد ہو سکے گا۔

اللہ سبحانہٗ سے دعا گو ہوں کہ آپ کی سعیِ مسلسل کی بدولت، آپ جیسے شخص کے عزائم میں کسی رکاوٹ کے بغیر یہ علمی روشنی بڑھتی رہے، نیز اللہ جل جلالہٗ سے یہ دعا بھی کرتا ہوں کہ ’’جامع ترمذی‘‘ کی عظیم شرح کا بقیہ حصہ اور اس جیسے بہت سے (علمی) کارنامے آپ کے معزز ہاتھوں پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ میں اس (کتاب یعنی ’’شرح سنن ترمذی‘‘) سے آگاہی کا بے حد متمنی تھا، تاکہ آپ کے وسیع علوم وتحقیقات سے استفادہ کر سکوں، اور توفیق تو اللہ سبحانہٗ کی جانب سے ہوتی ہے۔

میری خواہش ہے کہ اگر سہولت ہو تو آپ مجھے ’’**التصريح**‘‘، ’’**عقيدة الإسلام في حياة عيسىٰ عليه السلام**‘‘ اور ’’**تحية الإسلام**‘‘ ارسال کر دیں۔ تینوں (کتابیں) مولانا محقق کشمیری کی ہیں، اللہ تعالیٰ جنت میں ان کے درجات بلند فرمائے۔

مولانا عثمانی، مولانا ابو الوفاء، مولانا سید بجنوری اور مہربان اُستاذ مولانا ظفر احمد تھانوی کو

میرا مخلصانہ سلام، اور ساتھ ساتھ (میری جانب سے) مولانا مفتی مہدی حسن کی دست بوسی فرمائیں۔
انتہائی عزیز بھائی! اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خیر و عافیت کے ساتھ اُمت کا راہنما بنائے رکھے۔

مخلص: محمد زاہد کوثری

محرم سنہ ۱۳۶۶ھ، شارع عباسیہ نمبر ۶۳ قاہرہ

حواشی

۱:...... چھپائی کے لیے طباعتی حروف مراد ہیں، جو مخصوص انداز میں ڈھال کر تیار کیے جاتے تھے، اس لیے کہ یہ حجری طباعت کا دور تھا۔

۲:...... حاجی موسیٰ میاں کے صاحب زادے اور حاجی محمد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی، جن کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔

۳:...... جدامجد حضرت مولانا محمد زکریا بن میر مزمل شاہ رحمۃ اللہ علیہ: ۱۲۹۵ھ میں ولادت ہوئی اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت سے دو سال قبل ۲۴ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ میں انتقال ہوا۔ باکمال عالم، ماہر طبیب اور سلوک وتصوف کے رمز آشنا اور اُردو، عربی و فارسی تینوں زبانوں میں کئی کتب ورسائل کے مؤلف تھے۔ زندگی بھر مجاہدات اور گوشۂ خمول میں گزاری، روحانی کمالات کے حصول کے لیے سالہا سال بادہ پیمائی میں بسر کیے۔ عشقِ الٰہی وعشقِ رسالت کے قتیل تھے۔ ان کی رحلت کے موقع پر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل مضمون میں تأثرات کا اظہار کیا تھا، جو ''إبداء الكبد'' کے نام سے مستقل رسالے کی صورت میں چھپ چکا ہے اور بینات شمارہ رجب المرجب ۱۳۹۵ھ کے بصائر وعبر کی صورت میں ریکارڈ کا حصہ ہے۔

۴:...... محمود حافظ: نسبی اعتبار سے حسنی ہیں، اصلاً ہندوستانی خاندان سے ہیں۔ ۱۳۳۸ھ میں مکہ مکرمہ میں ولادت ہوئی۔ نیک صالح اور قرآن کریم کے حافظ تھے، شہرت ونمود سے کوسوں دور تھے، اہلِ علم سے محبت کرنے والے اور ان کے صحبت یافتہ تھے۔ سعودی عرب میں اہلِ علم کے قدردان اور معروف صاحب وجاہت شخصیت شیخ عبدالمقصود خوجہ کے ماموں تھے، عرصۂ دراز سے شیخ خوجہ نے علماء وادباء کے اعزاز وتکریم کے لیے مشہور زمانہ سلسلہ ''الإثنينية'' شروع کر رکھا ہے، جس میں کسی شام ایک عالم کی شخصیت وکردار اور علمی کارناموں کے متعلق مقالات پیش کیے جاتے ہیں، مجلس کے آخر میں لذتِ کام ودہن کا اہتمام ہوتا ہے اور بعد میں یہ مقالات کتابی صورت میں شائع کیے جاتے ہیں۔ شیخ خوجہ نے شیخ محمود حافظ کی تکریم کے لیے بھی ایسی محفل منعقد کرنے کا عزم کیا تھا، اور اُنہیں باصرار اس کی دعوت پیش کی تھی، لیکن طبعی طور پر تواضع اور شہرت سے نفور کی بنا پر انہوں نے انکار کیا۔ مکہ مکرمہ میں سرکاری مطابع کے منتظم رہے، ترقی کرتے کرتے ملکی سطح پر تمام سرکاری مطابع کے ناظمِ عمومی کے عہدے تک جا پہنچے اور ریاض منتقل ہوگئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بقیہ زندگی مدینہ منورہ میں گزاری، اور وہیں ۱۴۱۰ھ میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ رحمه الله وغفر له وأسكنه فسيح جنانه۔

۵:...... گزر چکا کہ شیخ محمود حافظ، سعودی عرب کے سرکاری مطابع کے منتظم تھے۔

﴿ مکتوب:......۱۵ ﴾

جناب صاحبِ فضیلت، علامہ یکتا ومحدثِ یگانہ، اخی فی اللہ سید محمد یوسف بنوری حفظہ اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعد سلام! آپ کے عظیم مرتبہ والد کی دست بوسی کرتا ہوں اور اُن کی نیک دعاؤں کا امیدوار ہوں۔

میں آپ کی گوشہ نشینی سے بے انتہا متاثر ہوں، اور رکاوٹوں کی دوری، معاملات کی آسانی اور حقائق کے غلبے کے بعد قریبی فرصت میں ''جامع ترمذی'' پر آپ کی لازوال شرح کے منظرِ عام پر آنے کا بے حد مشتاق ہوں۔

عزیز دوست سید احمد رضا بجنوری کا گرامی نامہ کافی عرصے سے نہیں ملا، امید ہے وہ بخیر وعافیت ہوں گے۔ مولانا عثمانی نے ''شرح مسلم'' کا کتنا کام کیا؟ کیا اس کا کچھ حصہ بھی شائع نہیں ہوا؟ اور مولانا ظفر احمد تھانوی کی ''إعلاء السنن'' کے بقیہ حصہ کا کیا بنا؟ امید ہے مولانا مفتی مہدی حسن صحت کی بحالی کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے۔ استاذِ جلیل (مولانا) ابوالوفاء مستعدی سے ہمارے ساتھ خط وکتابت کرتے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے نشاط اور علمی خدمات میں اضافہ فرمائے!

بھائی محمود حافظ (سفر سے) لوٹنے کے بعد ہمیں ملے تھے، اور جوہانس برگ کے فاضل برادران کے کاموں کے متعلق ہمیں ہر قسم کی خیریت کی خوش خبری سنائی، اور بتایا کہ قریبی فرصت میں جامعہ کا دہلی منتقل ہونا اور وہیں پریس لگانا طے ہوا ہے، اور یہ بھی کہ اس معاملے میں آنجناب کو اطلاع دے دی گئی۔

میں منتظر تھا کہ آنجناب کی جانب سے اس خوش خبری کے پورا ہونے کی خبر پہنچے، مجھے علم ہے کہ اتنے تھوڑے عرصے میں وہاں جامعہ، مجلس اور طباعتی امور کے لیے جگہ حاصل کرنے میں کامیابی ممکن نہیں، بلکہ اس معاملے میں تمام پہلوؤں سے گہرا غور وفکر ضروری ہے۔

نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے احادیث کے تواتر کے متعلق مولانا کشمیریؒ کا رسالہ ''التصریح'' ارسال کرنا جب ممکن ہو تو میں شکر گزار رہوں گا۔

دوستوں کو ہدیہ کرنے کی رغبت ہو تو میں ''النکت'' کے چند نسخے بذریعہ ڈاک بھیج دیتا ہوں۔ امید ہے کہ شرح کی تکمیل اور وہاں کتب کے اشاعت کے حوالے سے اپنی مساعی اور بھائیوں کی صحت یابی کے متعلق ہمیں بتائیں گے۔

توقع ہے کہ اپنی نیک دعاؤں میں مجھے نہ بھولیں گے، اور اس عاجز کے بارے میں دریافت کرنے والے بھائیوں کو میرا سلام پہنچائیں گے۔ میرے عزیز بھائی! اللہ تعالیٰ خیر وعافیت کے ساتھ آپ کو لمبی زندگی عطا فرمائے۔

آپ کا بھائی
محمد زاہد کوثری
شعبان ۱۳۶۶ھ
شارع عباسیہ نمبر ۶۳ قاہرہ

(جاری ہے)

مروَّجہ تکافل اور ایک مغالطہ!

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ، أما بعد :

''مروَّجہ تکافل کمپنی'' کو جائز کہنے والے حضرات یوں تو تکافل اور معیشت کے موجد ومجدد کہلاتے ہیں، حضرت ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے بقول اب تو تکافل کمپنیوں میں اتنی فقاہت آ گئی ہے کہ وہ اپنے موجودہ بزرگوں سے بھی مستغنی ہوچکی ہیں، مگر کبھی کبھار مشکل حالات میں ''توسل بآ ثار الصالحین'' کا سہارا بھی لیا جاتا ہے اور یہ صراحت کہیں کہیں ملتی ہے کہ مروَّجہ تکافل کی بنیاد ''وقف'' پر قائم ہوگی ۔ اس لیے کہ **''مجلسِ تحقیق مسائلِ حاضرہ''** کے اکابر حضرت مفتی محمد شفیعؒ ، محدث العصر حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ اور حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے انشورنس کے متبادل کے طور پر وقف اور مضاربت کی بنیاد پر ادارے کے قیام کی تجویز دی تھی، چنانچہ دسمبر ۲۰۰۲ء کو ''شرکات التکافل'' کے عنوان سے منعقد ہونے والی مجلسِ مشاورت کی روئیداد کے مؤقر مرتب ''تکافل کی شرعی حیثیت'' نامی کتابچے میں تحریر فرماتے ہیں :

> ''اس کے بعد متعدد اہلِ علم نے اپنی آراء بیان فرمائیں اور طویل بحث کے بعد مجلس نے یہ طے کیا کہ اس وقت اسلامی ممالک میں جو تکافل کمپنیاں اسلامی اُصولوں کے مطابق کام کررہی ہیں یا کام کرنا چاہتی ہیں، ان سب کی بنیاد ''حملۃ الوثائق'' (پالیسی ہولڈرز یا بالفاظِ دیگر پریمیم قسط اداکنندگان) کی طرف سے ''تبرع'' پر رکھی گئی ہے اور اس تبرع کی بنیاد پر وہ اپنے متوقع مالی خطرات کا ازالہ کرتے ہیں ۔ مجلس نے محسوس کیا کہ وقف کے بغیر تبرع کی بنیاد پر تکافل کمپنیوں کے قیام میں متعدد اشکالات ہیں، لیکن مجلس کو خیال ہوا کہ اس مسئلہ میں مزید تحقیق کی ضرورت ہوگی ، اگر فی الحال ترجیحاً ان کمپنیوں کی بنیاد تبرع کے بجائے وقف پر رکھی جائے تو اس قسم کے اشکالات سے حفاظت ہوسکتی ہے ۔

اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ ۱۳۸۴ھ میں ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' نے حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا ولی حسن رحمہم اللہ اور دیگر اکابر کی سرپرستی میں بیمۂ زندگی کے متبادل کے طور پر جو نظام تجویز کیا تھا، اس کی بنیاد بھی وقف اور مضاربت پر رکھی تھی۔ (دیکھئے ''بیمۂ زندگی'' مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ، ص:۲۵)

ان جلیل القدر اکابر کی تجویز کردہ بنیاد ''وقف'' پر اگر تکافل کمپنی قائم کی جائے تو نسبۃً اشکالات کم پیش آئیں گے، لہٰذا مجلس نے تبرع کے مقابلے میں وقف کی بنیادوں پر قائم ''شركة التكافل'' کے قیام کی صورت کو ترجیح دی، جس میں اولاً مساہمین (شئیر ہولڈرز یعنی تکافل کمپنی حصہ داران) اپنے طور پر اُصولِ ثابتہ (اموالِ غیر منقولہ) یا نقول یا دونوں کو شرعی اصول وضوابط کے مطابق وقف کریں گے جنہیں محفوظ رکھا جائے گا اور ان کے لیے آخری جہت ''قربت'' یعنی فقراء اور مساکین پر تصدق ہوگی، پھر ''حملة الوثائق'' (پالیسی ہولڈرز) اس وقف میں جو رقوم دیں یا وقف کے جتنے منافع یا زوائد ہوں گے وہ سب وقف کے مملوک ہوں گے اور وقف کو وقف کے طے شدہ اُصول وضوابط کے مطابق ان مملوکات ومنافع میں تصرف کا مکمل اختیار ہوگا۔'' (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۳۶، ۱۳۷)

مروّجہ تکافل کمپنیوں پر اشکالات کے جوابات کے ضمن میں درج بالا مضمون کو دوبارہ یوں ذکر فرمایا گیا ہے:

''تکافل سے متعلق ذکر کردہ اشکالات کا جواب دینے سے پہلے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں تکافل یعنی اسلامی انشورنس کا جو نظام رائج ہے، وہ تنہا حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم کی رائے پر قائم نہیں ہوا، بلکہ اس کا تصور آج سے اکتالیس سال پہلے ۱۳۸۴ھ میں پاکستان کے مستند علمائے کرام اور مفتیانِ عظام پر مشتمل مجلس ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' نے پیش کیا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ کی کتاب ''بیمۂ زندگی'' میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اس متبادل کے صحیح ہونے پر دارالعلوم کے علماء کے علاوہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ولی حسن ٹونکیؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم کے تصدیقی دستخط بھی موجود ہیں۔'' (بیمۂ زندگی، ص:۲۷)

اس کے بعد آج سے چھ سال قبل دسمبر ۲۰۰۲ء میں جامعہ دارالعلوم کراچی میں پاکستان کے علاوہ بنگلہ دیش اور شام کے اہل علم اور اہل فتویٰ کا جو اجتماع ہوا، اس میں بھی اس متبادل کو جائز بلکہ بہتر قرار دیا گیا، نیز اس سے متعلق ابتدائی خاکے پر بھی اتفاق کیا گیا، اس کی وضاحت احقر نے اپنی کتاب ''تکافل - انشورنس کا متبادل اسلامی طریقہ'' کے اندر بھی کی ہے۔'' (تکافل کی شرعی حیثیت، ص:۱۴۳، ۱۴۴)

درج بالا دونوں اقتباسات سے یہ تأثر مل رہا ہے کہ وقف پر مبنی مروّجہ تکافل کے قیام، جواز، بلکہ بہتری واستحسان کو مذکورہ دونوں مجلسوں میں باقاعدہ طے کیا گیا تھا، اس بات کی پوری حقیقت جاننے کے لیے اور درج بالا حوالوں کے پسِ منظر کا اندازہ لگانے کے لیے بزرگوں کی تحریر وتجویز تو بعینہٖ نقل کی جائیں گی، جبکہ ۲۰۰۲ء والی مجلس کی روئیداد کے بارے میں سرِدست ضمناً گفتگو ہوگی اور اس کی تفصیل کسی مستقل نشست میں عرض کی جائے گی۔

بزرگوں کی ۱۹۶۴ء والی تحریروں کو بعینہٖ نقل کرنے سے قبل ان کے پسِ منظر سے ہم بات شروع کرتے ہیں، تاکہ انشورنس کی اسلام کاری اور انشورنس کے اسلامی متبادل کے درمیان حدِ امتیاز جاننے اور سمجھنے میں خلط وخبط سے بچا جاسکے۔ ان تحریروں کا باعث یہ تھا کہ ۱۹۶۴ء میں ''مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ'' کی طرف سے مجلس کے کنوینر حضرت مولانا محمد اسحاق سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱) نے انشورنس سے متعلق ایک مفصل سوال نامہ بھیجا تھا۔

حضرت سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو سوال نامہ بھیجا تھا، اس میں انشورنس کے تعارف، اغراض ومقاصد کے علاوہ عرب کے معاصر علماء کرام کی فقہی آراء اور ان کے دلائل بھی ذکر فرمائے تھے اور اس پر دیگر اہلِ علم کے علاوہ پاکستان کے اکابر حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب، محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری اور حضرت مولانا مفتی محمد ولی حسن خان ٹونکی رحمہم اللہ سے استفتاء کیا گیا اور ان حضرات پر مشتمل ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' نے انشورنس کے جواز اور متبادل کے بارے میں مولانا سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ کے سوال نامہ کا مفصل جواب تحریر فرمایا، جو ۱۳۸۹ھ میں ''بیمۂ زندگی.... مشتمل بر دو فتویٰ از مفتی محمد شفیع صاحب واز مفتی ولی حسن صاحب'' کے نام سے شائع ہوا اور بعد میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے فقہی مقالات کے مجموعہ ''جواہر الفقہ'' کی اشاعتوں میں شامل چلا آرہا ہے اور متداول ہے۔ الغرض یہ جواب دو تحریروں پر مشتمل ہے، ایک تحریر حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو ''جواہر الفقہ'' کے صفحات کے حساب سے تقریباً ۱۳ رصفحات پر مشتمل ہے۔ یہ جواب نہایت جامع، مختصر اور منقح ہے اور اُسے ابتدائی تجویز اور خاکہ فرمایا گیا ہے۔

دوسرا جواب حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کا تحریر فرمودہ ہے، جو تقریباً ۴۸ رصفحات پر مشتمل ہے، یہ اپنے موضوع پر محیط ومفصل ہے۔

اس تحریری مجموعہ کے مطابق ہمارے اکابر کے جوابات میں ''انشورنس'' کے حرام ہونے کی

حاشیہ(۱) حضرت سندیلوی صاحبؒ جو بعد میں جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی سے وابستہ رہے اور اقتصاد ومعاش اور سیاسیات سے متعلق اہم تحریریں بھی لکھیں اور جامعہ کے شعبۂ تخصص فی الدعوۃ والارشاد کے مشرف ومسؤل بھی رہے، بڑے بڑے نامی گرامی علماء نے آپ سے اس دوران استفادہ بھی فرمایا تھا، جو آپ کی باقیات صالحات کے طور پر اب بھی بقیدِ حیات ہیں۔

وجوہ اور جائز کہنے والوں کے دلائل کا تجزیہ اور رَدبھی شامل ہے۔

انشورنس کو جائز کہنے والے حضرات کے دلائل کی بنیاد یہ تھی کہ انشورنس اِک ضرورت ہے، تعاون و امدادِ باہمی کی اِک شکل ہے۔ انشورنس عقدِ موالات کی طرح کسی نقصان کی تلافی کے لیے معاہدے کا دوسرا نام ہے، انشورنس کو تبرع واحسان کی اِک صورت قرار دیا جاسکتا ہے۔ انشورنس کی اسلام کاری یا فقہی حیثیت سے بحث کرنے والے معاصر علماء عرب میں مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، استاذ ابوزہرہ مصری، استاذ حلاف، استاذ مصطفیٰ الزرقاء، استاذ محمد علی عرفہ، ڈاکٹر سعد واصف وغیرہ کے اسماء گرامی نمایاں ہیں۔ ان حضرات میں سے استاذ ابوزہرہ انشورنس کو علی الاطلاق حرام کہتے تھے اور بقیہ حضرات جائز کہتے تھے۔ استاذ الزرقاء صرف غیرسودی ہونے کی شرط لگاتے تھے۔ ان علماء کرام کے موقف اور ان کے دلائل کا خلاصہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

''**ایک مختصر تعداد** کا خیال ہے کہ ہر قسم کا بیمہ جائز ہے، یہ حضرات بیمہ کے موجودہ نظام کو برقرار رکھتے ہوئے اس کی حلت اور جواز کے قائل ہیں۔ ان حضرات کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

الف:...... بیمہ امدادِ باہمی کی ایک شکل ہے، تعاون اور امدادِ باہمی اسلامی حکم ہے۔

ب:...... جس طرح بیع بالوفاء کو گوارا کرلیا، اسی طرح اس کو بھی گوارا کرلیا جائے۔

ج:...... بیمہ کمپنی ضرورت مندوں کو جو قرض دیتی ہے اور اس پر جو سود لگاتی ہے یا بیمہ دار کو اصل مع منافع دیا جاتا ہے وہ شرعی رِبا (سود) نہیں ہے۔

دوسرا گروہ: جس کی قیادت استاذ الزرقاء کے ہاتھ میں ہے، اس کا خیال ہے کہ غیرسودی بیمہ جائز ہے، بیمہ میں اگر قباحت ہے تو وہ سود ہے، اس کو ختم کرنے کے بعد بیمہ کی ہمہ اقسام جائز ہیں۔ ان حضرات کے دلائل کا تجزیہ اس طرح کیا جاسکتا ہے:

الف:...... عقدِ موالاۃ پر قیاس کہ اس میں ایک غیرشخص دیت وغیرہ کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے اور اس کے معاوضہ میں میراث کا حصہ دار ہوجاتا ہے، اسی طرح بیمہ کو بھی سمجھ لیا جائے۔

ب:...... ''**ودیعة بأجر**'' اور مسئلہ ''**ضمان خطر الطریق**'' میں بیمہ کی بعض صورتوں کو داخل کیا جاسکتا ہے۔

ج:...... مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے بدون کسی عقد کے، تو وہ وعدہ لازم ہوجاتا ہے اور نقصان کی صورت میں وعدہ کرنے پر معاوضۂ نقصان ضروری ہوتا ہے۔

تیسرا گروہ: جس کی قیادت استاذ ابوزہرہ کے ہاتھ میں ہے، اس کا قائل ہے کہ بیمہ مطلقاً ناجائز ہے، خلاصۂ دلائل یہ ہے:

ا:...... بیمہ اپنی اصل وضع میں یا تو قمار ہے، جب کہ مدتِ مقررہ کے اختتام کے قبل ہی بیمہ

دار کی موت واقع ہوجائے یا رِبا ہے، جب کہ کل اقساط کی ادائیگی کے بعد بیمہ دار بیمہ شدہ رقم مع منافع حاصل کرے، قمار اور رِبا دونوں حرام ہیں۔

۲:...... بیمہ میں ’’صفقتان فی صفقۃ‘‘ پایا جاتا ہے، اس کی مخالفت نصِ حدیث سے ثابت ہے اور اس کی ممانعت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق واجماع ہے۔

۳:...... بیمہ سے نظامِ میراث درہم برہم ہوجاتا ہے، کیونکہ بیمہ دار کے نامزد کردہ شخص کو بیمہ کی رقم دی جاتی ہے، جب کہ ہر شرعی وارث مالِ متروکہ کا حق دار ہے۔

۴:......عقدِ صرف، جس میں مجلس میں قبضہ ضروری ہوتا ہے اور یہاں یہ شرط مفقود ہے۔

۵:......عقیدۂ تقدیر پر ایمان کا تقاضا ہے کہ پیش آنے والے حوادث اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیئے جائیں اور یہاں بیمہ کرانے والے اس عقیدہ سے فرار کرتے ہیں، کیونکہ وہ پہلے سے حوادث وموت کی پیش بندیاں کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔‘‘

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۸۶ تا ۴۸۸، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

انشورنس کی اسلام کاری کے اس انداز، استدلال اور طرزِ استدلال کے بارے میں اکابر کے نظریات وخیالات کو بھی ذرا دیکھتے جایئے! تاکہ مروَّجہ تکافل کا استدلالی منہج اور استنادی رُخ سمجھنے میں آسانی ہو، چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

’’بعض تجدد پسند علماء عصر نے جو اس (انشورنس) کو امدادِ باہمی کا معاہدہ قرار دے کر موالی الموالات کے احکام پر قیاس فرمایا اور عقدِ موالات کی طرح اس کو بھی جائز قرار دیا ہے، وہ بالکل قیاس مع الفارق ہے۔........................

’’درحقیقت مروَّجہ بیمہ کو امدادِ باہمی کہنا اِک دھوکہ ہے اور بیمہ اور سٹہ سے سودی کاروبار پر آنے والی نحوست کو پوری قوم کے سر پر ڈالنے کا ایک خوبصورت حیلہ ہے۔‘‘

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۷۱، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

’’ان علماء کا کردار بھی قابلِ مذمت ہے جو یورپ کے ماہر اقتصادی نظام کی چند خوبیاں یا خوشنما پہلوؤں کو دیکھ کر جواز اور حلت کا فتویٰ دینے میں جری ہیں۔‘‘

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۹۱، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

بیمہ کی اسلام کاری سے متعلق اکابر کے اس بنیادی نظریہ وفکر کو ملحوظ رکھنے کے بعد بیمہ سے متعلق سوالات کے جوابات جس نظریئے پر قائم تھے، وہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے، چنانچہ جوابات شروع کرتے ہوئے حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیعؒ نے اس سوچ وفکر کے ساتھ جواب کا آغاز فرمایا تھا:

’’الجواب:........ظاہر ہے کہ محض نام بدل دینے سے کسی معاملہ کی حقیقت نہیں بدلتی۔‘‘

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۶۷، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

حضرت مفتی ولی حسن ٹونکیؒ لکھتے ہیں:

''شریعت میں حقیقت کا اعتبار ہوتا ہے، ''تسمیہ'' (نام رکھ لینے) کا نہیں۔'' (۱)

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۵۱۳، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

اپنے اکابر کے جوابات اور انشورنس کے متبادل کے لیے ان کے نظریات جاننے کے بعد اب اَکابر کی جوابی تحریر اور اُن کی طرف سے وقف پر مبنی مجوزہ متبادل کی بابت خود اکابر کی اپنی رائے کو بھی ذرا دیکھ لیا جائے، تاکہ یہ سمجھنا آسان ہوسکے کہ اکابر کے ہاں مجوزہ متبادل نظام کی حیثیت خود اَکابر کی نگاہ میں کیا تھی؟ اور شروع میں ذکر کردہ اقتباسات سے جو تأثر مل رہا ہے، اس کی حیثیت وحقیقت کیا ہے؟ تاکہ ہم اکابر کی رائے کے بارے میں خود اُن کا **''حتمی موقف''** یا **''غیر حتمی تجویز''** ہونے کا فیصلہ کرنے میں کسی اِبہام اور غلط فہمی سے محفوظ رہ سکیں، چنانچہ بزرگوں کی تحریر کے درجۂ استناد کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

''دوسرے: بیمہ کی دوسری اقسام کو جمع کرنے اور اس کے مکمل احکام بیان کرنے کا داعیہ بھی تھا، جس کے نتیجہ میں آج تک یہ اِرادہ، اِرادہ ہی رہا، عملی صورت اختیار نہ کرسکا، پھر مشاغل وذَواہل نے فرصت نہ دی اور روز بروز قویٰ کے انحطاط اور ضعف نے ارادہ کو بھی اسی نسبت سے ضعیف کردیا۔ جناب کے مرسلہ سوال نامہ نے معاملہ کی نوعیت کو پوری طرح واشگاف بیان کردیا اور اس کی تمام اقسام کو بھی واضح انداز میں ذکر کرکے کچھ لکھنے کی ہمت پیدا کردی، **خصوصاً اس لیے کہ اب یہ میرا جواب کوئی آخری فیصلہ نہیں، دوسرے علماء کے سامنے پیش ہوکر اس کی اصلاح بھی ہوسکے گی۔''** (جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۶۷، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی روشنی میں دو باتیں قابل توجہ ہیں:

۱:...... بزرگوں نے اپنی اس تحقیقی کاوش کو حتمی فتاویٰ اور رائے قرار نہیں دیا تھا، بلکہ اسے اصلاح وترمیم کی ضرورت وگنجائش کے ساتھ علماء کے مزید غور وخوض کے لیے پیش فرمایا تھا۔ اس مجوزہ نظام کے بارے میں اسی لچک دار موقف کی بنیاد پر بزرگوں نے اظہارِ خیال کی ہمت فرمائی تھی، انہیں اپنی رائے پر جزم تھا، نہ دوسروں کی آراء سے مستغنی تھے، جیسا کہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد میں واشگاف ہے۔

۲:......سو بزرگوں کی ایسی تحریرات جو انہوں نے حتم وجزم کی نفی اور فتویٰ وفیصلہ کا درجہ دیئے بغیر نقل فرمائی ہوں، اُنہیں ان بزرگوں کا **''حتمی فیصلہ''** اور **''واضح فتویٰ''** ہونے کا تأثر دے کر مجمل الفاظ

حاشیہ(۱) ''شریعت کا مشہور قاعدہ ہے کہ ''إنما العبرة في العقود للمعاني لا للألفاظ ''یعنی کسی معاملہ کی حقیقت کا اعتبار ہوگا اور اس کے لحاظ سے شرعی احکام جاری ہوں گے، نام رکھنے سے کچھ نہیں ہوگا، ربا کا نام اگر منافع رکھ دیا جائے تو اس سے وہ حلال نہیں ہوگا، بنی اسرائیل پر جب چربی حرام ہوگئی تھی تو انہوں نے اس کا دوسرا نام رکھ دیا تھا اور کھانا شروع کردیا تھا۔''

(جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۵۱۳، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

میں نقل کرنا ہمارے خیال میں نقل وحکایت کے آداب سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اور اگر ایسی غیر واضح، غیر حتمی آراء پر کسی نظام کی بنیاد رکھ کر اُسے رواج دیا جائے اور اس کی باقاعدہ دعوت دی جائے تو اُسے ہر حال میں انشورنس کے جواز کا ''دیرینہ جذبہ'' اور اس کی ''خفیہ تدبیر'' یا ''خوبصورت حیلہ'' کہنے میں حرج محسوس نہیں ہوتا، بلکہ یہ طرزِ عمل' ان علماء عرب کے طرزِ استدلال سے ہم رنگ معلوم ہوتا ہے جو ہر حال میں انشورنس کی اسلام کاری کی وجہ سے ہمارے اکابر کی درج بالا نکیر کا مورد ٹھہرے تھے۔

اس تفصیل کی روشنی میں اب بزرگوں کی ان تحریرات کی طرف آتے ہیں جو انہوں نے انشورنس کے صحیح متبادل اور جائز حل کے طور پر پیش فرمائی تھیں، اور مؤقر اہل علم کی طرف سے ان کا حوالہ دیا جاتا ہے، اور اہلِ علم فیصلہ فرمائیں کہ مجوزہ تکافلی نظام' علماء عرب کی جوازی سرگرمیوں سے کتنا دور اور اکابر کے نظریات سے کتنا قریب ہے۔ مروَّجہ تکافل کی بابت ہمارا استدلال وطرزِ استدلال اپنے اکابر کی اقتداء میں جاتا ہے یا ان کی درج بالا ''نکیر'' کی زَد میں آتا ہے؟ چنانچہ مروَّجہ انشورنس کے صحیح متبادل کی نشان دَہی کی تجویز اور ابتدائی خاکہ پیش کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''مروَّجہ بیمہ کا صحیح بدل

ا:...... بیمہ پالیسی کی حاصل شدہ رقوم کو مضاربت کے شرعی اُصولوں کے مطابق تجارت پر لگایا جائے اور **معینہ سود کے بجائے تجارتی کمپنیوں کی طرح تجارتی نفع تقسیم کیا جائے۔** نقصان سے بچنے کے لیے لمیٹڈ کمپنیوں کی طرح اس کی نگرانی پوری کی جائے اور پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کیا جائے۔ سودخوری کی خودغرضانہ اور غیرمنصفانہ عادت کو گناہِ عظیم سمجھا جائے کہ دوسرے شریک کا چاہے سارا سرمایہ ضائع ہوجائے، ہمیں اپنا رأس المال مع نفع کے اس سے وصول کرنا ضروری ہے۔ یہی وہ منحوس چیز ہے جس کے سبب نص قرآنی کے مطابق سود کا مال اگرچہ گنتی میں بڑھتا ہوا نظر آئے، مگر معاشی فوائد کے اعتبار سے وہ گھٹ جاتا ہے اور انجام کار رتا ہی لاتا ہے اور **یہ گنتی کا فائدہ بھی پوری قوم سے سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہوجاتا ہے، ان کے علاوہ پوری قوم مفلس سے مفلس تر ہوتی چلی جاتی ہے۔**

۲:...... بیمہ کے کاروبار کو امدادِ باہمی کا کاروبار بنانے کے لیے بیمہ پالیسی خریدنے والے اپنی رضامندی سے اس معاہدہ کے پابند ہوں کہ **اس کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ نصف یا تہائی، چوتھائی ایک ریزروفنڈ کی صورت میں محفوظ رکھ کر وقف کریں گے، جو حوادث میں مبتلا ہونے والے افراد کی امداد پر خاص اصول وقواعد کے ماتحت خرچ کیا جائے گا۔**

۳:...... بصورتِ حوادث یہ امداد صرف ان حضرات کے ساتھ مخصوص ہوگی جو اس معاہدہ کے پابند اور اس کمپنی کے حصہ دار ہیں۔ اوقاف میں ایسی تخصیصات میں کوئی مضائقہ نہیں،

وقف علی الاولاد اس کی نظیر موجود ہے۔

۴:......اصل رقم مع تجارتی نفع کے ہر فرد کو پوری پوری ملے گی اور وہی اس کی ملک اور حقیقت سمجھی جائے گی۔ **امدادِ باہمی کا ریز روفنڈ وقف ہوگا** جس کا فائدہ وقوعِ حادثہ کی صورت میں اس وقف کرنے والے کو بھی پہنچے گا اور اپنے وقف سے خود فائدہ اِٹھانا اُصولِ وقف کے منافی نہیں، جیسے کوئی رفاہِ عام کے لیے ہسپتال وقف کرے، پھر بوقتِ ضرورت اس سے خود بھی فائدہ اُٹھائے، یا قبرستان وقف کرے، پھر خود اس کی اور اس کے اقرباء کی قبریں بھی اس میں بنائی جائیں۔

۵:......حوادث پر امداد کے لیے مناسب قوانین بنائے جائیں، جو صورتیں عام طور پر حوادث کہی اور سمجھی جاتی ہیں ان میں پسماندگان کی امداد کے لیے معتدبہ رقم مقرر کی جائے اور جو صورتیں عادۃً حوادث میں داخل نہیں سمجھی جاتیں، جیسے کسی بیماری کے ذریعہ موت واقع ہوجانا، اس کے لیے یہ کیا جاسکتا ہے کہ متوسط تندرستی والے افراد کے لیے ساٹھ سال کو عمرِ طبعی قرار دے کر اس سے پہلے موت واقع ہوجانے کی صورت میں بھی کچھ مختصر امداد دی جائے، **متوسط تندرستی کو جانچنے کے لیے جو طریقہ ڈاکٹری معائنہ کا بیمہ کمپنی میں جاری ہے وہ استعمال کیا جاسکتا ہے، بیمار یا ضعیف آدمی کے لیے اسی پیمانہ سے عمرِ طبعی کا ایک اندازمقرر کیا جاسکتا ہے۔**

۶:...... چند قسطیں ادا کرنے کے بعد سلسلہ بند کردینے کی صورت میں دی ہوئی رقم کو ضبط کرلینا ظلم صریح اور حرام ہے، اس سے اجتناب کیا جائے۔ ہاں! کمپنی کو ایسے غیر محتاط لوگوں کے ضرر سے بچانے کے لیے معاہدہ کی ایک شرط یہ رکھی جاسکتی ہے کہ کوئی شخص حصہ دار بننے کے بعد اپنا حصہ واپس لینا چاہے، **یعنی شرکت کو ختم کرنا چاہے تو پانچ یا سات یا دس سال سے پہلے رقم واپس نہ کی جائے گی اور ایسے شخص کے لیے تجارتی نفع کی شرح بھی بہت کم رکھی جاسکتی ہے، بلکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کل معہودہ رقم کے نصف ہونے تک کوئی نفع نہیں دیا جائے گا، نصف کے بعد ایک خاص شرح نفع کی متعین کردی جائے**، مثلاً روپیہ میں ایک آنہ، دو آنہ، یہ سب امور منتظمہ کمیٹی کی صوابدید سے طے ہوسکتے ہیں، ان کا اثر معاملہ کے جواز وعدمِ جواز پر نہیں پڑتا۔

یہ ایک سرسری مختصر اِجمالی خاکہ ہے، اگر کوئی جماعت اس کام کے لیے تیار ہو تو اس پر مزید غور وفکر کرکے زیادہ سے نافع بنانے اور نقصانات اور نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں سوچی جاسکتی ہیں اور سال دو سال تجربہ کرکے ان میں بھی شرعی قواعد کے ماتحت تغیر وتبدل کیا جاسکتا ہے۔

بینکنگ اور بیمہ کا موجودہ نظام بھی تو کوئی ایک سال میں قابلِ عمل نہیں ہوا، ایک صدی سے زیادہ اس میں غور وفکر اور تجربات کی بنا پر ردوبدل کرنے کے بعد اس شکل میں آیا ہے جس پر اطمینان کیا جا سکتا ہے، اگر صحیح جذبہ کے ساتھ اس کا تجربہ کیا جائے اور تجربات کے ساتھ شرعی قواعد کے ماتحت اصلاحات کا سلسلہ جاری رہے تو یقیناً چند سال میں بلاسود کی بینکاری اور بیمہ وغیرہ کا نظام شرعی اُصول پر پورے استحکام کے ساتھ بروئے کار آ سکتا ہے۔ **نظامِ مضاربت کے تحت بینکاری کا ایک لازمی اثر یہ بھی ہوگا کہ ملک کی دولت سمٹ کر چند افراد یا خاندانوں میں محصور ہو کر نہیں رہ جائے گی، بلکہ تجارتی نفع کی شرح سے پوری قوم کو معتدبہ فائدہ حاصل ہوگا، اس وقت صرف اس اجمالی خاکہ ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، واللّٰہ المستعان وعلیہ التُکلان۔** (جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۵۷۴ تا ۷۷۴، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

....

حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے نتائج بمع تبصرہ

۱:...... بیمہ کا صحیح متبادل سود کی بجائے شرعی تجارت ہے، حقیقی کاروبار اور حقیقی نفع اور اس نفع کا مخصوص حصہ وقف برائے تلافی نقصانات ہو۔ ''ریزروفنڈ'' میں جمع کی جانے والی رقم کے علاوہ بقیہ نفع بیمہ دار کو ملتا رہے۔

۲:...... بیمہ کے کاروبار کو امدادِ باہمی بنانے کے لیے معتد بہ حصہ معاہدہ کے تحت ریزروفنڈ کی صورت میں محفوظ کر کے وقف کریں، جو متأثرہ افراد کی خاص اصولوں کے تحت مدد کرے، یہ امداد مخصوص افراد کے لیے ہوگی، اس میں مضائقہ نہیں۔ وقف علی الاولاد اس کی نظیر ہے۔

یہ دونوں باتیں مجوزین کے دعویٰ کے حق میں بظاہر صریح معلوم ہوتی ہیں، البتہ یہ فرق فراموش نہ رہے کہ یہاں حقیقی تجارتی کمپنی کے حقیقی نفع کا مختص حصہ ریزروفنڈ بن کر وقف قرار پاتا ہے، جبکہ مجوزین کے ہاں کمپنیوں کے بانی حضرات کے ابتدائی سرمایہ کے کچھ حصوں کو وقف قرار دیا جاتا ہے اور تکافل پالیسی لینے والوں کی قسط وار رقم کو چندہ برائے وقف کے نام پر ''وقف'' کی ملکیت قرار دیا جاتا ہے اور سرمایہ کاری کی بنیاد یہی چندہ ہوتا ہے، بہرحال ان پر تبصرہ اگلے صفحات میں تکرار کی ناگواری کے ساتھ عرض کریں گے۔

۳:......متوسط تندرستی کو جانچنے کا ڈاکٹری طریقہ استعمال ہوسکتا ہے جو تخمینی ہے۔ پھر بیمار وغیرہ کے لیے عمرِ طبعی کا اندازہ مقرر کرنا روایتی لائف انشورنس سے ممتاز ہونے کے لیے کافی محنت مانگتا ہے، اس کی تخریج کی طرف اشارہ بھی نہیں فرمایا گیا۔

۴:......نمبر:۶ کے تحت پوری خط کشیدہ عبارت قابلِ غور ہے۔ حصہ داری اگر شرکت ہے تو

شرکاء جب چاہیں شرکت ختم ہوسکتی ہے، جیسا کہ نمبر:۴ کے شروع میں لکھا ہے کہ اصل رقم مع نفع ہر فرد کو پوری ملے گی اور نمبر:۶ کے ابتدائی حصہ میں لکھا گیا ہے کہ رقم کو ضبط کرنا ظلم ہے، تو ''حبس'' کرنا بھی ظلم ہی ہوگا، پھر پانچ سات سال سے پہلے رقم واپس نہ کرنا، تجارتی نفع کی شرح بہت کم رکھنا، بلکہ معہودہ رقم کے نصف ہونے تک نفع نہ دینا، یہ قیودات' بظاہر حضرات اہلِ علم کے غور کے لیے بیان فرمائی گئی تھیں اور ان میں کافی غور کی گنجائش ہے، مثلاً پانچ یا سات سال تک رقم واپس نہ کرنا، مالک کی اجازت کے بغیر وکالت بنتی ہے یا نہیں؟ اس صورت میں بیع وتجارت میں ''تراضی'' کا لحاظ رہے گا یا نہیں؟ مزید یہ کہ ایسے مالک کی رقم دیگر شرکاء کے ساتھ برابر تجارت میں زیرِ استعمال رہی تو پھر اس کو نفع میں کم حصہ دینا، اس کی جلد بازی کی مالی سزا کے زُمرے میں آسکتا ہے یا نہیں؟ حضرت مفتی اعظم کی مذکورہ تجویز میں ان کی اجازت سے یہ پہلو اہلِ علم کے غور کے تاحال مستحق ومحتاج ہیں۔

۵:...... مذکورہ تحریر کے بارے میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ارشاد ہے جس پر دیگر بزرگوں کے توثیقی دستخط بھی ہیں کہ یہ تحریر **''اجمالی خاکہ ہے''، ''یہ اجمالی خاکہ پر اکتفاء ہے''**۔ اس میں کمال کے رنگ بھرنے کے لیے ایک جماعت تیار ہو وہ غور وفکر کرکے زیادہ نافع بنانے، نقصانات سے محفوظ رکھنے کی تدبیریں کرے۔ ہمارے علم کے مطابق بزرگوں کی اس تجویز پر ان کے حسبِ منشأ اس پائے کی کوئی ایسی جماعتِ علماء سامنے نہیں آسکی، جس نے یہ غور کیا ہو، اس لیے وقف پر مبنی متبادل نظام کی بابت بزرگوں کی مذکورہ تجاویز' معمول بہ اور مفتیٰ بہ رائے کے درجہ تک نہیں پہنچ سکیں۔ ان کی تجاویز کو جتنے جزم کے ساتھ اُن کا طے شدہ حتمی موقف بتایا گیا ہے، وہ علم وبیان کے بنیادی تقاضوں سے خالی محسوس ہو رہا ہے۔

۶:...... بزرگوں کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ انشورنس کا متبادل مضاربت پر مبنی ''تجارتی انجمن'' ہوسکتی ہے، جس کے منافع میں سے مخصوص حصہ حوادث کے لیے مختص کیا جائے اور اس کے اسلامی ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ سرمایہ کا بھاؤ اور نفع چند افراد میں محصور نہ ہو، یعنی مجوزہ متبادل میں ایسا نظامِ مضاربت اپنایا جانا چاہیے جو دولت کو چند افراد اور خاندانوں میں محصور ہونے سے بچائے، نفع سے پوری قوم کو معتد بہ فائدہ حاصل ہو۔ ہمارے مجوزہ نظامِ تکافل میں جو مضاربت شو کی جاتی ہے، کیا اس میں اس شرط کا کوئی معمولی عنصر بھی سونگھنے کے لیے ملتا ہے؟ نیز یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اس قسم کا مضاربہ سسٹم حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز نمبر:۲ اور نمبر:۳ سے کیسے ہم آہنگ ہوگا؟! یقیناً اہلِ علم جب حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں اجمالی خاکہ سے تفصیل کی طرف جائیں گے، تو جب ہی یہ تشنگی دور فرماسکیں گے۔

۷:...... حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر میں تجویز نمبر:۲ اور نمبر:۳ مجوزین کے موقف کی بنیاد بننے میں بظاہر صریح ہیں، اس حد تک ان کا دعویٰ صحیح ہے کہ بیمہ کے متبادل کے لیے بیمہ پالیسی خریدنے والے اپنی رضامندی سے کاروبار کے منافع کا ایک معتد بہ حصہ ریزروفنڈ کے لیے مخصوص کرکے وقف کریں، جو حوادث کی صورت میں مخصوص شرائط کے تحت مخصوص لوگوں کے نقصان کی تلافی کرے، مگر اس مجمل دعویٰ کی

صحت، شروع میں ذکر کردہ بنیادی فرق پر مستزاد درج ذیل تفصیل کے بغیر بیان کرنا مناسب نہیں ہے:

۱:- اس دعویٰ کو صرف حضرت مفتی صاحبؒ کی تحقیق کہہ کر بیان کیا جانا چاہیے تھا، اُسے پوری مجلس کی تحقیق و فیصلہ کہنا درست نہیں تھا، دیگر تمام بزرگوں کے دستخط محض تائیدی دستخطوں کے طور پر بتائے جاتے اور یہ کہ دیگر بزرگوں کی تائید کا تعلق مذکورہ تجویز کے **''اجمالی خاکہ''** اور قابلِ غور پہلو سے بتانا چاہیے تھا، نہ کہ **''طے شدہ فیصلہ''** سے، جیسے مجوزین فرما رہے ہیں۔

۲:- وقف پر مبنی متبادل نظام کی جو پوزیشن خود مفتی صاحب کے الفاظ میں بیان کی گئی تھی، اسے محض تجویز کہنا چاہیے تھا، **''حتمی فیصلہ، فتویٰ اور رائے''** کا تأثر نہیں دینا چاہیے تھا، بلکہ اہلِ علم کے غور و فکر کی احتیاج ظاہر کرنا تھا جو کہ مجوزین کے اجمالی بیان میں دستیاب نہیں ہے۔

۳:- حضرت مفتی صاحبؒ کی جو رائے محض ابتدائی و اجمالی خاکہ تھا اُسے اہلِ علم کے غور کے لیے پیش فرمایا تھا، اس پر حسبِ منشأ کام ہوسکا یا نہیں؟ اس کی کوئی پکی سچی اطلاع تاحال سامنے نہیں آئی، آئندہ جب اہلِ علم، حضرت کے ارشاد کی تعمیل فرمائیں گے تو ان کا غور و فکر کس نتیجہ پر پہنچے گا؟ یہ قبل از وقت بات ہے، البتہ حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے شرکاءِ مجلس اکابر کی بعض تحریرات وتصریحات سے یوں محسوس و مترشح ہوتا ہے کہ **ان اکابر کو حضرت مفتی صاحبؒ کی رائے کے مطابق مضاربہ سسٹم کے تحت تجارتی نفع کے ریز روفنڈ کے وقف پر مبنی نظام سے بظاہر ایسا اتفاق نہیں تھا جس کا تأثر عام کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے اتفاق اور تصویب کا تعلق محض قابلِ غور تجویز کی حد تک سمجھا جاسکتا ہے**، کیونکہ ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' کے دوسرے بڑے رکن حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ نے بیمہ کا جو مفصل متبادل پیش فرمایا ہے، وہ حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا تجویز سے کافی حد تک الگ تھلگ محسوس ہو رہا ہے، جسے اگلے صفحات میں نقل کیا جارہا ہے، جس کے نظر گزار ہونے سے اندازہ ہوگا کہ مجوزین کی بیان کردہ تفصیل کی روشنی میں **حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ بیمہ کے متبادل کے بارے میں حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز اور ابتدائی خاکے سے بظاہر جداگانہ رائے رکھتے تھے۔** اسی طرح شیخ المشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی ذکر فرمایا گیا ہے، جو اکابر والی ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' کے رکن تھے اور وقف ومضاربہ پر مبنی تکافل کی بنیادی مجلس میں شریک تھے، اُنہیں حضرت مفتی اعظمؒ کی ''وقف پر مبنی تکافل'' والی تجویز کے حتمی رائے ہونے اور طے شدہ نظام ہونے پر متفق بتانا اس وقت درست ہوتا جب شروع تا آخر علانیہ اس رائے سے متفق رہے ہوتے یا کم از کم خاموش رہے ہوتے، تو بھی ان کا نام مروَّجہ تکافلی نظام کی تائید میں ذکر کرنا درست ہوتا، **مگر انہوں نے ۲۰۰۸ء میں ہمارے مجوزین حضرات کے معاشی نظریات سے برملا اختلاف فرمایا تھا** اور اسلامک بینکنگ وغیرہ کے بارے میں نہ صرف یہ کہ برملا عدمِ جواز کا موقف اختیار کیا، بلکہ اس موقف کے سرخیل بھی وہی تھے اور ان کی نگرانی میں ان کے ادارے

سے مجوزہ تکافل نظام پر بھی رد لکھا گیا۔ اگر وہ ہمارے مجوزین کی طرح حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تجویز کو حتمی رائے کے طور پر مان رہے ہوتے اور مجوزہ نظام کو اسی بنیاد پر قائم سمجھ رہے ہوتے تو تکافلی نظام کے بارے میں ان کا یہ تردیدی وتنقیدی انداز ہرگز نہ ہوتا، بلکہ مروَّجہ تکافل کی بابت ان کا طرزِ عمل صراحت ہے اس بات پر کہ حضرت شیخ ؒ نے مفتی صاحبؒ کے حسبِ منشأ غور کرکے ان کی تجویز اور خاکہ سے عدمِ اتفاق فرمایا تھا، اس کے باوجود انہیں مؤید ظاہر کرنا یہ معیار بنتا ہے دیگر تائیدی دستخطوں کے لیے، واللہ اعلم

۸:...... مروَّجہ تکافل کمپنی میں اصل وقف کمپنی بنانے والے حضرات کی ابتدائی رقم شمار ہوتی ہے، بقیہ لوگوں کا چندہ اس وقف کی ملکیت شمار کرکے کاروبار میں لگایا جاتا ہے، پھر اس وقف سے حسبِ شرائط وقواعد مستفید ہونے والے اپنے نقصانات کی تلافی کرائیں گے۔ یہ مشروط ومقید معاملہ ہے اور کمپنی بنانے والوں اور چندہ دینے والوں کو پکے معاہدے اور طے شدہ قواعد وضوابط کے تحت ''وقف''، **''عطاءِ مستقل''** اور **''لزومِ عہد ووعد''** کے نام پر جو مراعات ملتی ہیں، اس مصنوعی عمل کو ہسپتال وقبرستان وقف کرکے ہسپتال سے اتفاقی اور قبرستان سے یکبارگی استفادہ کے استحقاق پر قیاس کرنا' اپنے بزرگوں کے وقف پر مبنی نظام کے زیادہ قریب ہے؟ یا انشورنس کی اسلام کاری کے قابلِ نکیر طرزِ عمل کے زیادہ قریب ہے؟ جنہوں نے انشورنس کو عقدِ موالات پر قیاس کرکے جائز قرار دیا تھا اور اکابر نے اُسے قیاس مع الفارق قرار دیا تھا۔

اکابر نے تو یہ کہا تھا کہ انشورنس کا متبادل مضاربت پر کام کرنے والی تجارتی کمپنی یا انجمن ہوگی، اس تجارتی انجمن کے منافع میں سے ایک معتد بہ حصہ ریزروفنڈ میں محفوظ ہوکر نقصانات کی تلافی کے لیے امدادِ باہمی کے طور پر جمع رہے گا، جبکہ مروَّجہ تکافل میں انشورنس کمپنی کے طرز پر تکافل کمپنی کے بانی اپنے شیئرز کو وقف کا نام دیتے ہیں، اس سے وقف فنڈ شخصِ معنوی وجود میں آتا ہے، وہ شخص معنوی انشورنس کمپنی کی طرح لوگوں سے پریمیم وصول کرتا ہے، جسے ادا کرنے والے چندہ برائے وقف کا نام دے دیتے ہیں، ایمان داری کے ساتھ دیکھا جائے کہ اکابر میں سے حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو سامنے رکھیں اور مجوزین کی اس تطبیق وتکییف کا تقابل کرکے دیکھیں تو نئے اور پرانے وقف کے تقابلی جائزے سے دونوں کے رُخ واضح ہوجائیں گے۔ ببیں ایں تفاوت راہ از کجا تا بکجا!

ہم مزید وضاحت کے لیے حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ متبادل بھی خدمت گزار کیے دیتے ہیں۔ یہ متبادل حل اس مجموعہ کا حصہ ہے جس سے وقف پر مبنی تکافلی نظام کے وقف ہونے پر استدلال فرمایا گیا ہے، مگر اس متبادل حل کا تذکرہ وحوالہ مروَّجہ نظام میں نہیں ملتا، حالانکہ مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ کی رائے حتم وجزم کے ساتھ بیان ہوئی تھی اور ان کے پیش کردہ متبادل اور حضرت مفتی اعظمؒ کے پیش کردہ متبادل کے درمیان مروَّجہ ٹرسٹوں کے طرز پر رفاہی ادارے کے قیام کی صورت میں وحدت کا قول بھی اختیار کیا جاسکتا ہے، یعنی حضرت مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ریزروفنڈ وقف کا مقصد مجوزین کی

بیان کردہ تفصیل کے علی الرغم رفاہی تعاونی ٹرسٹ کو قرار دیا جائے تو دونوں بزرگوں کی بات کا حاصل ایک ہی بنتا ہے اور یہ تطبیق مجوزین کی تصریح کی بنسبت زیادہ واضح بھی ہے اور انشورنس کے متبادل کے طور پر اس تجویز کی طرف آنا وقف پر مبنی نظام کے مقابلے میں زیادہ آسان اور نا قابل اشکال بھی ہے۔ اس تجویز پر عمل کرتے ہوئے وقف پر مبنی نظام والے تکلفاتِ باردہ کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔

حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا پیش کردہ متبادل حل ملاحظہ ہو:

’’بیمہ کا شرعی حل

طالبِ بیمہ کے حسب ذیل مقاصد بیان کیے جاتے ہیں:

۱:......اس کا سرمایہ محفوظ رہے۔۲:......اضافۂ مال بذریعہ سود یا تجارت۔۳:......حوادث کی صورت میں مالی معاونت۔موجودہ زمانہ میں حادثوں کی تعداد میں بے پناہ اضافہ ہوگیا ہے، آئے دن ہولناک قسم کے حوادث ہوتے رہتے ہیں، جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے حوادث سے بے اندازہ نقصان ہوتا ہے۔۴:......پسماندگان کی مالی امداد۔

اب ان کا ترتیب وار حل درج ہے:

۱،۲:...... ان دونوں باتوں کا حل یہی ہے کہ غیرسودی بینک جاری کیے جائیں، جن کی اَساس شرکت اور مضاربت پر قائم کی جائے۔اس طرح سرمایہ کی حفاظت بھی ہوگی اور مال میں بھی جائز طریقوں سے اضافہ ہوتا رہے گا۔اسلام کے معاشی نظام کا جس شخص نے بغور مطالعہ کیا ہوگا وہ ضرور اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اسلام ’’ارتکازِ دولت‘‘ کا حامی نہیں ہے کہ روپیہ ایک جگہ جمع کر دیا جائے اور بدون تجارت اس سے منافع حاصل کیا جائے، روپیہ سے روپیہ حاصل کرنا اسلام کے نقطۂ نظر سے صحیح نہیں ہے۔سرمایہ میں جو لوگ اضافہ چاہتے ہیں، ان کے لیے تجارت کی شاہراہ کھلی ہوئی ہے۔تجارت سے سرمایہ دار کا بھی فائدہ ہے کہ تجارت کو فروغ ہوگا، سرمایہ تجوریوں سے نکل کر منڈیوں اور بازاروں میں پہنچے گا، صنعت اور انڈسٹری کی کثرت ہوگی، مزدوروں اور ملازمت پیشہ لوگوں کو کام ملے گا۔ واضح رہے کہ اسلام اپنے معاشی نظام کی بنیاد زکوۃ پر رکھتا ہے، برخلاف سرمایہ دارانہ نظام کے کہ وہاں سود ریڑھ کی ہڈی کا حکم رکھتا ہے۔قرآن کریم نے اسلام کے معاشی نظام کو مختصر سے مختصر لفظوں میں اس طرح سمجھایا ہے:

’’کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْأَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ۔‘‘ (الحشر، پارہ ۲۸)

’’تاکہ نہ آئے لینے دینے میں صرف دولت مندوں کے تم میں سے۔‘‘

آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ یہ مصارف (اس سے پہلے مصارف بتلائے گئے ہیں) اس

لیے بتلائے ہیں کہ ہمیشہ یتیموں، محتاجوں، بے کسوں اور عام مسلمانوں کی خبرگیری ہوتی رہے اور عام اسلامی ضروریات سرانجام پاسکیں۔ یہ اموال محض چند دولت مندوں کے اُلٹ پھیر میں پڑکر ان کی مخصوص جاگیر بن کر نہ رہ جائیں، جس سے صرف سرمایہ دار اپنی تجوریوں کو بھرتے رہیں اور غریب فاقوں سے مریں۔..............................

۳:...... ''دنیا حوادث کی آماجگاہ ہے'' یہ مقولہ پہلے بھی صادق تھا اور اب تو ایسی حقیقت بن چکا ہے، جس سے انکار ناممکن ہے۔ روزانہ حادثے ہوتے رہتے ہیں، جن میں جانی اور مالی دونوں قسم کے نقصانات ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کل تک ایک بھلا چنگا آدمی ہاتھ پیروں سے صحیح وسالم تھا، آج اچانک کسی حادثے کی زَد میں آ گیا اور اپاہج ہوکر رہ گیا۔ اس اپاہج انسان کے ساتھ اس کا خاندان بھی مصائب وحوادث کا شکار ہے، نہ پیٹ بھرنے کو روٹی ہے اور نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا رہا، اسی طرح ایک بڑا صنعت کار جو کل تک ایک بڑی انڈسٹری کا مالک تھا، اچانک کارخانہ میں آگ لگ گئی، مشینری اور سارا سامان جل کر راکھ ہوگیا، اور وہ اب نان جویں کو بھی محتاج ہے، پھر ہر روز بسوں، موٹروں کے حادثے ہماری زندگی کا روزمرہ بن چکے ہیں، آخر ان نقصانات کی تلافی کس طرح ہو اور اس کا حل شریعت اسلامی میں کیا ہے؟

اس کا حل یہی ہے کہ امدادِ باہمی اور تعاون علی الخیر کے جذبہ کے تحت ایسے ادارے قائم کیے جائیں جو اربابِ خیر اور مال داروں سے عطیات وصول اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگائیں، ان اداروں کا کام یہ ہو کہ وہ تحقیقِ حال کے بعد نقصان زدہ افراد اور خاندانوں کی مالی امداد کریں۔ اس سلسلہ میں عام ادارے بھی بنائے جاسکتے ہیں اور خاص بھی۔ خاص کی صورت یہ ہو کہ تاجر اپنا الگ ادارہ بنائیں، صنعت کار اپنا الگ۔ (جواہر الفقہ، ج:۴، ص:۴۹۵ تا ۴۹۷، طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

حضرت مفتی ولی حسن رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا فتوی میں **''امدادِ باہمی''** اور **''تعاون علی الخیر''** کا صاف وشفاف اور ہر قسم کے اشکال سے محفوظ متبادل حل موجود ہے۔ اس میں روایتی انشورنس کی نقالی کا شائبہ ہے نہ تجدد پسند علماء کی طرح کسی حیلہ گری کی ضرورت ٹھہرتی ہے، صرف خیرخواہانہ جذبے کی ضرورت ہوگی اور مختلف رفاہی اداروں کے طرز پر خدمتِ خلق کے جذبے کے تحت اربابِ خیر اور مال داروں سے عطیات وصول کیے جائیں اور ان سے جمع شدہ رقوم کو تجارت اور انڈسٹری میں لگایا جائے اور یہ ادارے تحقیقِ حال کے بعد نقصان زدگان کی مالی امداد کریں۔ **یہ امداد صرف عطیہ اور چندہ دینے والے مال داروں کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ ان کے شعبے کے ان مستحق لوگوں کو بھی فائدہ پہنچایا جائے جو**

عطیہ/ چندہ نہیں دے سکتے، مثلاً: کلاتھ مارکیٹ کے بڑے تاجرمل کر انڈسٹری لگائیں اور اس مارکیٹ کے تمام نقصان زدگان کی بلا امتیاز مدد کی جائے، اسی طرح فیکٹری مالکان بھی ایسی انجمن قائم کرلیں تو ہر طبقہ اپنے نقصانات کی تلافی کے لیے حقیقی تعاون وتبرع سے مستفید ہوسکے گا اور اسے انشورنس کی نقالی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

یہ تفصیل اس مقصد کے تحت ذکر کی گئی ہے کہ مروّجہ تکافلی نظام کو جائز قرار دینے کے لیے ''مجلسِ تحقیقِ مسائلِ حاضرہ'' کے اکابر کا نام جو استعمال کیا جاتا ہے، اس میں حقیقت ومغالطے کا تناسب جاننے میں مدد مل سکے۔

....

آخر میں مروّجہ تکافل کمپنیوں کی تصدیق وترویج کے لیے اکابر ومشائخ کا نام استعمال کرتے ہوئے انشورنس کی نقالی وتقلید کرنے والے حضرات کی خدمت میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ کا وہ توجہ دلاؤ نوٹس پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے زمانے کے انشورنس کمپنی کے ذمہ داروں کے لیے لکھا تھا اور کمپنی کے کاروبار کے لیے اکابر علماء اور اہلِ فتویٰ کا نام غلط استعمال کرنے پر ارشاد فرمایا تھا:

''بیمہ کمپنی کے ذمہ دار توجہ فرمائیں

پہلی بات تو یہ ہے کہ پاکستان میں بیمہ کا کاروبار کرنے والے حضرات عموماً مسلمان ہیں۔ خدا کے لیے اس چندروزہ کاروبار پر آخرت کو قربان نہ کریں، حرام معاملات پر حلال کا لیبل لگانے کے بجائے اس کی فکر کریں کہ امدادِ باہمی کی شرعی اور جائز صورت کو اختیار کریں، جو رسالہ ہذا میں لکھ دی گئی ہے۔ اور جو رقمیں لوگوں کی جمع ہوتی ہیں، ان کو تجارت پر لگا کر سود کی بجائے تجارتی نفع تقسیم کریں، جو سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے اور پوری قوم کے لیے نفع بخش جائز وحلال معاملہ ہے اور اگر خدانخواستہ وہ خود حلال وحرام سے بے نیاز ہوکر چندروزہ مال ودولت کمانے کو اپنا مقصد بنا ہی چکے ہیں تو کم ازکم اکابر علماء اور اہلِ فتویٰ پر اپنی رائے تھوپنے اور ان پر تہمت لگانے سے تو پرہیز کریں کہ یہ تحریفِ دین کا دوسرا گناہ ہے جس کی اس کاروبار میں کوئی ضرورت بھی نہیں۔

وہ اپنی اس ذمہ داری کو بھی محسوس کریں کہ ان بزرگوں کی طرف غلط فتووں کو منسوب کرنا اخلاقی کے علاوہ قانونی جرم بھی ہے۔ مسلمانوں کو آزمائش میں نہ ڈالیں کہ وہ اس معاملہ کو عدالت میں چیلنج کرنے پر مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو مال ودولت کی ایسی محبت سے بچائے جو اُن کی آخرت کو برباد کرے۔'' (جواہر الفقہ، ج:۴،ص:۵۲۹،طبع: مکتبہ دار العلوم، کراچی)

اللّٰہم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه....... واللّٰہ اعلم

دنیا کے خسارے سے بچنے

اور نفعِ عظیم حاصل کرنے کا قرآنی نسخہ

ڈاکٹر مفتی محمد نجیب قاسمی سنبھلی

''وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ إِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔''

ترجمہ: ''قسم ہے زمانے کی کہ ہر انسان بڑے خسارے میں ہے، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، اور انہوں نے اچھے کام کیے، اور آپس میں تاکید کرتے رہے سچے دین کی، اور آپس میں تاکید کرتے رہے صبر وتحمل کی۔''

''سورۃ العصر'' کی خاص فضیلت

یہ قرآن کریم کی بہت مختصر سی سورت ہے، جس میں چودہ کلمات پر مشتمل صرف تین آیات ہیں، لیکن ایسی جامع ہے کہ بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (۱۵۰ھ-۲۰۴ھ) کہ:

''اگر لوگ اس سورت کو غور وفکر اور تدبر کے ساتھ پڑھ لیں تو دین ودنیا کی درستی کے لیے کافی ہو جائے۔'' (ابن کثیر)

حضرت عبداللہ بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے دو شخص آپس میں ملتے تو اس وقت تک جدا نہ ہوتے جب تک ان میں سے ایک دوسرے کے سامنے سورۃ العصر نہ پڑھ لے۔'' (طبرانی)

﴿وَالْعَصْرِ﴾...... اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ''العصر'' کی قسم کھائی ہے، جس سے مراد زمانہ ہے، کیونکہ انسان کے تمام حالات، اس کی نشو ونما، اس کی حرکات وسکنات، اعمال اور اخلاق سب زمانے کے لیل ونہار میں ہی ہوں گے۔ جہاں تک قسم کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کے کلام میں قسم کے بغیر بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ بندوں پر رحم فرما کر، کسی حکم کی خصوصی تاکید اور اس کی اہمیت کی وجہ سے قسم کھا کر کوئی حکم بندوں کو کرتا ہے، تاکہ بندے اس حکم کی اہمیت کو سمجھ کر اس پر

عمل پیرا ہوں اور حکم بجالانے میں کوئی کوتاہی نہ کریں۔ البتہ یاد رکھیں کہ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے نام کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی واضح تعلیمات احادیث کی کتابوں میں موجود ہیں، مثلاً لوگوں کا کہنا تیرے سر کی قسم! یا تیری قسم! وغیرہ، اس طرح کے الفاظ کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ ویسے تو قسم کھانے سے ہی بچنا چاہیے، کیونکہ قسم کھاکر کوئی بات کہنا ترغیبی عمل نہیں ہے، لیکن اگر کسی موقع پر قسم کھانی ہی پڑے تو صرف اللہ کے نام کی قسم کھانی چاہیے۔

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ﴾ میں الف لام جنس کے لیے ہے، جو استغراق کے معنی میں ہے، یعنی قیامت تک آنے والا ہر ہر انسان اس حکم میں داخل ہے، خواہ مرد ہو یا عورت، غریب ہو یا مالدار، طاقت ور ہو یا کمزور، بوڑھا ہو یا نوجوان، بادشاہ ہو یا غلام۔

﴿لَفِیْ خُسْرٍ﴾ قرآن کریم میں انسان کے نفس یا مال یا اہل وعیال یا دنیا وآخرت کے خسارہ کو متعدد جگہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اشرف المخلوقات (انسان) کے خسارہ سے اللہ کی مراد کیا ہے؟ یہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾ جملہ اسمیہ ہونے کی وجہ سے اس میں تاکید موجود ہے۔ عربی زبان میں لفظ ''إِنَّ'' کا استعمال تاکید کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قسم کھاکر اس بات کو بیان کرنا شک وشبہ کی کسی گنجائش کو بالکل بھی ختم کردیتا ہے۔ نفع میں کمی یا بالکل نفع نہ ہونا نقصان کہلاتا ہے، لیکن اگر رأس المال (Capital) ہی ختم ہوجائے تو اُسے خسارہ کہتے ہیں۔ اس آیت میں صرف جان یا مال کا خسارہ مراد نہیں بلکہ انسانی خسارہ مراد ہے، جس کا کوئی بدل ممکن نہیں ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قسم کھاکر بہت زیادہ تاکید کے ساتھ یہ بات بیان فرمائی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ''سورۃ التین'' میں چار چیزوں (انجیر، زیتون، طورِ سینا پہاڑ اور مکہ مکرمہ) کی قسم کھاکر ارشاد فرمایا: ''ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے، پھر ہم اسے پستی والوں میں سب سے زیادہ نچلی حالت میں کردیتے ہیں (یعنی جہنم میں پھینک دیتے ہیں) سوائے اُن کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، تو اُن کو ایسا اجر ملے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔'' غرض یہ کہ اگر ہم نے شیطان اور نفس کی خواہش کے خلاف اور اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش نہیں کی تو ناکامی ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی کے حصول کے لیے سونے سے بھی زیادہ قیمتی چیز یعنی وقت کا صحیح استعمال کرنا پڑتا ہے۔ ہر سیکنڈ ہماری عمر کم ہورہی ہے اور ہم برابر اپنی موت کے قریب ہوتے جارہے ہیں، کسی بھی وقت موت کا فرشتہ ہماری روح قبض کرنے آسکتا ہے۔ ہمارا جو لمحہ بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی میں گزر رہا ہے، وہ ہمیں خسارہ کی طرف لے جارہا ہے۔

اس مختصر سورت میں انسان اور پوری کائنات کو پیدا کرنے والے نے زمانہ کی قسم کھاکر ارشاد

فرمایا کہ: ہر انسان بڑے خسارے اور نقصان میں ہے۔

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ أٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

یعنی اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کے اندر چار صفات موجود ہوں:

ا:......اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات پر ایمان لانا

اللہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا دل سے یقین کرنا اور زبان سے اقرار کرنا کہ اللہ ہی اس پوری کائنات کو پیدا کرنے والا ہے۔ اسی نے انس وجن، آسمان، زمین، پہاڑ، سورج، چاند، ستارے، آگ، پانی، ہوا، جانور، پرند، درند، درخت اپنی قدرت سے پیدا کیے۔ وہی سارے جہاں کا پالن ہار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کی اولاد۔ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا۔ خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے، وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اُسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو اس کے پاس ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو۔ ممکن ہے کہ ہماری عقلیں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہوں، مگر سینکڑوں دنیاوی اُمور سمجھنے نہ آنے کے باوجود ہم اُن کے آگے سر جھکا دیتے ہیں، مثلاً: ہماری عقلیں یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ انسان دنیا میں کیوں آتا ہے؟ اور نہ جانے کی خواہش کے باوجود عمر کے کسی بھی حصہ میں چلا کیوں جاتا ہے؟ ہاں! ہماری عقلیں یہ ضرور تسلیم کرتی ہیں کہ ساری کائنات خود بخود پیدا نہیں ہوگئی، یقیناً ان ساری چیزوں کو پیدا کرنے والی ایک ذات ہے، وہی اللہ ہے، جس کو ہم اپنی عقلوں سے نہیں سمجھ سکتے، البتہ اللہ کی مخلوقات میں غور وفکر کرکے اللہ کی طاقت اور قدرت کو تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتے، چنانچہ آج بھی دنیا کی آبادی کا بہت بڑا حصہ اللہ کی ذات کو ضرور مانتا ہے۔

انس وجن کی تخلیق کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے۔ ہماری دنیاوی زندگی کیسے عبادت بنے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو منتخب فرماکر نبی ورسول بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ نبی ورسول کے پاس اپنے احکام نازل فرماتا ہے کہ کیا کام کرنا ہے اور کیا کام نہیں کرنا، کیا کھانا ہے اور کیا نہیں کھانا۔ نبی ورسول اپنے قول وعمل سے لوگوں کو رہنمائی کرتا ہے۔ نبیوں کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام جیسے جلیل القدر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہوتا ہوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کسی قبیلہ یا علاقہ یا وقت کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمی رسالت سے نوازا گیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا مطلب یہی ہے۔ اسی طرح قرآن وحدیث کی روشنی میں ہمارا یہ ایمان ہے کہ اس دنیاوی زندگی کے ختم ہونے کے بعد اُخروی زندگی شروع ہوتی ہے، جہاں کی کامیابی کا دارومدار دنیاوی زندگی میں نیک اعمال کرنے پر ہے، جیسا کہ اسی سورت میں آگے بیان ہے۔ کامیاب لوگ

جنت میں جائیں گے جہاں اللہ تعالیٰ نے راحت وسکون کے ایسے انتظامات کررکھے ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے اور ناکام لوگ جہنم کی دہکائی ہوئی آگ میں ڈالے جائیں گے، جہاں کی آگ کی گرمی دنیاوی آگ سے کئی گنا زیادہ ہے۔

۲:......نیک اعمال کرنا

انسان کی کامیابی کے لیے دوسری بنیادی شرط نیک عمل ہے۔ نیک عمل کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں:

۱:......عمل، خالص اللہ کی رضامندی کے لیے کیا جائے۔۲:......تمام نبیوں کے سردار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق کیا جائے، خواہ عمل کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، معاشرت سے ہو یا اخلاق سے۔

۳:......حق کی نصیحت کرنا

یعنی ایمان لانے اور نیک عمل کرنے والے لوگ ایک دوسرے کو دینِ اسلام کی نصیحت کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

''مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں۔'' (سورۃ التوبہ:۷۱)

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی صفات میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کو نماز وروزہ بلکہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے بھی قبل ذکر کیا، جس سے یقیناً اس کام کی اہمیت وتاکید معلوم ہوتی ہے۔ دینِ اسلام کی دعوت دینا خود ایک نیک عمل ہے، مگر اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اُمتِ مبعوثہ ہے، جس کا مقصد دعوت الی الخیر ہے، آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ اس حقیقت پر شاہد ہیں، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے:

''(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لیے وجود میں لائی گئی ہے، تم اچھائیوں کا حکم کرتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔'' (آل عمران:۱۱۰)

مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس اُمت کا بہترین اور خیر اُمت ہونا اس کے داعی ہونے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری انجام دینے کی وجہ سے ہے، اسی لیے اس ذمہ داری کو اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر ذکر فرمایا۔

۴:......صبر کی تلقین کرنا

یعنی ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام ''قرآن کریم''

میں جگہ جگہ صبر کرنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً:

''اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوں اُن کو مردہ نہ کہو، دراصل وہ زندہ ہیں، مگر تم کو (اُن کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا۔ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کرکے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنادو۔'' (البقرۃ:۱۵۳-۱۵۵)

اسی طرح فرمانِ الٰہی ہے:

''اے ایمان والو! صبر کرو اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹے رہو۔'' (آل عمران ۲۰۰)

قیامت تک آنے والے انس وجن کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے قول وعمل سے صبر کرنے کی ترغیب دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''بلاشبہ صبر وہی ہے جو تکلیف کے آغاز میں کیا جائے۔'' (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

غرض دین و دنیا کے خسارے سے بچنے اور نفعِ عظیم حاصل کرنے کا یہ قرآنی نسخہ چار اجزاء سے مرکب ہے، جن میں پہلے دو جزء (ایمان و اعمالِ صالحہ) اپنی ذات کی اصلاح کے متعلق ہیں۔ اور دوسرے دو جزء دوسروں کی ہدایت و اصلاح سے متعلق ہیں، یعنی ہم اپنی ذات سے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق بجا لائیں، اور ساتھ میں یہ کوشش وفکر کریں کہ ہماری اولاد، ہمارے رشتے دار، ہمارے پڑوسی، ہماری کمپنی میں کام کرنے والے حضرات، ہمارے شہر میں رہنے والے لوگ اور ساری انسانیت اللہ کی مرضی کے مطابق اس دنیاوی فانی زندگی کو گزارنے والی بنے، تاکہ ہم سب بڑے خسارے سے بچ کر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی حاصل کرنے والے بن جائیں۔ ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے کہ اس کے اندر یہ چار اوصاف موجود ہیں یا نہیں!؟۔ قرآن کریم کے اس واضح اعلان سے معلوم ہوا کہ اگر یہ چار اوصاف یا ان میں سے کوئی ایک وصف بھی ہمارے اندر موجود نہیں ہے تو ہم دنیا و آخرت میں ناکامی اور بڑے خسارے کی طرف جارہے ہیں، لہٰذا ابھی وقت ہے، موت کب آجائے، کسی کو نہیں معلوم۔ ہم سب یہ عزمِ مصمم کریں کہ دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرنے اور بڑے خسارے سے بچنے کے لیے یہ چار اوصاف اپنی زندگی میں آج، بلکہ ابھی سے لانے کی مخلصانہ کوشش کریں گے۔ اللہ ہم سب کو زندگی کے باقی ایام ان چار اوصاف سے متصف ہوکر گزارنے والا بنائے۔ آمین، ثم آمین۔

..... ❁ ..... ❁ ..... ❁ .....

بچے، قرآن اور ہماری ذمہ داری!

مولانا سید عبدالوہاب شیرازی

بچے اور قرآن، ان دونوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے، یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ دنیا میں قرآن کے ماہرین بچپن ہی سے قرآن سے جڑے ہوئے تھے۔ جن بچوں کو ان کے والدین نے چھوٹی عمر میں قرآن سے جوڑا، ان بچوں کا قرآن سے تعلق ساری زندگی مضبوط رہا۔

یہاں میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ بچپن سے قرآن کے ساتھ جوڑنے سے مراد یہ نہیں جو ہمارے معاشرے میں ہوتا ہے، یعنی بچے کو سکول سے واپس لاکر آدھے گھنٹے کے لیے مسجد کے قاری صاحب کے حوالے کردینا، جب کہ وہ بچہ انتہائی تھکاوٹ کا شکار ہوتا ہے، اور پھر والدین نے بھی ساری ذمہ داری قاری صاحب پر ڈال رکھی ہوتی ہے، سالوں گزر جاتے ہیں اور والدین کبھی قاری صاحب سے ملاقات تک نہیں کرتے۔

اگرچہ موجودہ دور میں الحمدللہ! حفظِ قرآن کا رجحان زیادہ ہوا ہے، لیکن پھر بھی عموماً یہی ہوتا ہے کہ لوگ اپنے کسی ایک بچے کو حفظ کرواکر دس افراد کی بخشش کے پروانے پر خود ہی دستخط کرکے بیٹھ جاتے ہیں، یعنی اب جو بھی ہو، ہم بخشے بخشائے ہیں۔ چنانچہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ بچوں کو پاکیزہ ماحول فراہم نہیں کیا جاتا، بچہ مدرسہ سے آکر گھر میں موجود شیطانی آلات سے بھی مستفید ہورہا ہوتا ہے، فلمیں، ڈرامے اور کارٹون کی شکل میں دجالی ہدایات کے انجکشن اس کے قلب ودماغ پر لگتے رہتے ہیں۔

حفظ کے رجحان میں اضافے کے باوجود اب بھی نوے فیصد سے زیادہ لوگ ایسے ہی ہیں جو بچے کو بچپن کی عمر میں قرآن سے نہیں جوڑتے، بلکہ جدید زبانیں اور علوم ہی بچپن میں پڑھاتے اور سکھاتے ہیں۔ یہ بات بھی ہمارے مشاہدے میں آئی ہے کہ جو بچے بچپن میں حفظ کرلیتے ہیں، ان کا حافظہ دوسرے بچوں سے زیادہ قوی ہوتا ہے، چنانچہ اگر بچوں کو سب سے پہلے یعنی پانچ چھ سال کی عمر میں حفظ کروانا شروع کردیا جائے تو باقی چیزیں بعد میں بچہ بہت اچھی طرح سیکھ لیتا ہے۔

دوسری بات یہ بھی اہمیت کی حامل ہے کہ بچے کو چھوٹی عمر میں جو چیز سکھائی جائے گی، ساری عمر اسی چیز کی چھاپ اس کی عملی زندگی میں بھی نظر آئے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات سال کی

عمر میں نماز کا حکم دیا، حالانکہ سات سال کے بچے پر ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی، ابھی تو مزید سات سال ہیں نماز فرض ہونے میں، یہ سارا اہتمام اسی وجہ سے ہے۔ طبرانی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

’’ أدبوا أولادَكم علٰى ثلاث خصال: حب نبيكم وحب آل بيته وتلاوة القرآن، فإن حملةَ القرآن في ظل عرش الله يوم لاظل إلا ظلهٗ مع أنبيائهٖ وأصفيائهٖ ‘‘۔

’’اپنے بچوں کو تین باتیں سکھاؤ: اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور ان کے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت اور قرآن کریم کی تلاوت، اس لیے کہ قرآن کریم کو یاد کرنے والے اللہ کے عرش کے سائے میں انبیاء علیہم السلام ساتھ اس روز ہوں گے جس روز اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔‘‘

مسلمان علماءِ تربیت نے بچوں کو قرآن کریم کی تلاوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعلیم اور مسلمانوں کے عظیم قائدین کے کارنامے بتلانے اور سکھلانے کے ضروری ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ کہا ہے، اس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

’’ہم اپنے بچوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جنگیں اسی طرح یاد کرایا کرتے تھے جس طرح اُنہیں قرآن کریم کی سورتیں یاد کراتے تھے۔‘‘

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں یہ وصیت کی ہے کہ:

’’بچے کو قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور نیک لوگوں کے واقعات اور دینی احکام کی تعلیم دی جائے۔‘‘

علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ نے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دینے اور یاد کرانے کی اہمیت یوں بتائی ہے:

’’مختلف اسلامی ملکوں میں تمام تدریسی طریقوں اور نظاموں میں قرآن کریم کی تعلیم ہی اساس اور بنیاد ہے، اس لیے کہ قرآن کریم دین کے شعائر میں سے ہے جس سے عقیدہ مضبوط اور ایمان راسخ ہوتا ہے۔‘‘

ابن سیناؒ نے ’’کتاب السیاسۃ‘‘ میں یہ نصیحت لکھی ہے کہ:

’’جیسے ہی بچہ جسمانی اور عقلی طور سے تعلیم وتعلم کے لائق ہو جائے تو اس کی تعلیم کی ابتداء قرآن کریم سے کرنا چاہیے، تاکہ اصل لغت اس کی گھٹی میں پڑے اور ایمان اور اس کی صفات اس کے نفس میں راسخ ہو جائیں۔‘‘

پہلے زمانے کے لوگ اپنے بچوں کی تربیت کا نہایت اہتمام کیا کرتے تھے اور اپنے بچوں کو جب اساتذہ کے حوالے کرتے تو ان سے درخواست کرتے کہ ان بچوں کو سب سے پہلے قرآن کریم کی تعلیم دیں اور یاد کرائیں، تاکہ ان کی زبان درست ہو اور ان کی ارواح میں پاکیزگی و بلندی اور دلوں میں خشوع وخضوع پیدا ہو اور ان کے نفوس میں ایمان اور یقین راسخ ہو جائے۔

.....❁.....❁.....❁.....

’’شَرَائِعُ مَنْ قَبْلَنَا‘‘ اور اُن کا حکم

مولانا انعام اللہ

(دوسری قسط)

ان تمہیدی اُمور کی وضاحت کے بعد اب اصل موضوع کی طرف آتے ہیں:

تمام آسمانی شرائع کی حقانیت

تمام آسمانی شرائع کی حقانیت، منزل من اللہ ہونا، اپنے اپنے زمانے میں قابلِ عمل اور واجب الاتباع ہونا مسلماتِ دینیہ اور حقائق شرعیہ میں سے ہے۔ ایک مسلمان کے لیے اس بات کا ماننا صرف ایک تاریخی اور علمی حقیقت کے اعتراف کے طور پر نہیں، بلکہ اس کے ایمان کے معتبر ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے۔ ایمانیات میں سے عقیدۂ رسالت کے عموم میں یہ شامل ہے کہ جس طرح ایک مومن کے ایمانی وجود کے لیے اپنے نبی کی نبوت ورسالت پر ایمان لانا ضروری ہے، اسی طرح گزشتہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت اور ان کی شریعتوں کی حقانیت کو تسلیم کرنا بھی ضروری ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ ’’**العقيدة الطحاوية**‘‘ میں لکھتے ہیں:

’’ونؤمن باللّٰہ والملائكة والنبيين والكتب المنزلة على المرسلين ونشهد أنهم كانوا على الحق المبين ۔‘‘(۱)

’’اور ہم فرشتوں، انبیاء کرام اور رُسلِ عظام پر اُتاری گئیں کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، اور گواہی دیتے ہیں کہ سب واضح حق پر تھے۔‘‘

اس مضمون پر مشتمل چند آیاتِ کریمہ ملاحظہ ہوں:

ا:...... **’’وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۔‘‘** (البقرۃ:۴)

’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں۔‘‘

اس آیتِ کریمہ میں قرآن مجید، جو خاتم الانبیاءؐ پر نازل کیا گیا ہے‘ پر ایمان لانے کے ساتھ

گزشتہ کتبِ سماویہ، جو سابقہ تمام انبیاء کرامؑ پر اُتاری گئیں ہیں، پر ایمان لانے کا حکم بصورتِ خبر ہے۔

۲:...... ’’آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔‘‘ (البقرۃ:۲۸۵)

’’مان لیا رسول نے جو کچھ اُترا اُس پر اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی، سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ کہتے ہیں کہ: ہم جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے اور کہہ اُٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا، تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔‘‘

۳:...... ’’لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۔‘‘ (المائدۃ:۴۸)

’’ہر ایک کو تم میں سے دیا ہم نے ایک دستور اور راہ۔‘‘

۴:...... ’’شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖ إِبْرَاهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰى أَنْ أَقِيْمُوْا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ إِلَيْهِ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْ إِلَيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَيَهْدِيْ إِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ۔‘‘ (الشوریٰ:۱۳)

’’راہ ڈال دی تمہارے لیے دین میں وہی جس کا حکم کیا تھا نوح کو اور جس کا حکم بھیجا ہم نے تیری طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ کو اور عیسیٰ کو، یہ کہ قائم رکھو دین کو اور اختلاف نہ ڈالو اس میں، بھاری ہے شرک کرنے والوں کو وہ چیز جس کی طرف تو اُن کو بلاتا ہے، اللہ چن لیتا ہے اپنی طرف سے جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اُس کو جو رجوع لائے۔‘‘

توراۃ وانجیل، زبور کے بارے میں بطورِ خاص ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں:

۵:...... ’’وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَأَوْرَثْنَا بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ الْكِتَابَ ۔‘‘ (المؤمن:۵۳)

’’اور ہم نے دی موسیٰ کو راہ کی سوجھ اور وارث کیا بنی اسرائیل کو کتاب کا۔‘‘

۶:...... ’’إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۔‘‘ (المائدۃ:۴۴)

’’ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔‘‘

۷...... ’’وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا ۔‘‘ (النساء:۱۶۳)

’’اور ہم نے دی داؤد کو زبور۔‘‘

حدیثِ نبوی ہے:

’’عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ’’أَنَا أَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ فِي الْأُوْلٰى وَالْآخِرَةِ‘‘ قَالُوْا: كَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ’’الْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ مِنْ عَلَّاتٍ، وَأُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى، وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ، فَلَيْسَ بَيْنَنَا نَبِيٌّ ۔‘‘(۲)

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دنیا وآخرت میں عیسیٰ بن مریم کے سب زیادہ قریب میں ہوں۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا: کس طرح؟ یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام باپ شریک بھائیوں (جیسے) ہیں، ان کی مائیں مختلف ہیں اور دین ایک ہے، ہمارے درمیان کوئی اور نبی نہیں۔''

محشی امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

''وقال البغوی:یرید أن أصل دین الأنبیاء واحد، وإن کانت شرائعهم مختلفة کما أن أولاد العلات أبوهم واحد، وإن کانت أمهاتهم شتی۔''(۳)

''حدیث شریف کا معنی یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دین کا اصل یہ ہے، اگرچہ ان کی شریعتیں مختلف ہیں، جیسے علاتی بھائیوں کے والد ایک ہوتے ہیں، اگرچہ مائیں مختلف ہوتی ہیں۔''

ان تمام نصوص کا حاصل یہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام برحق تھے، ان پر نازل ہونے والی آسمانی کتابیں اللہ کی کتابیں تھیں اور برحق تھیں، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا دین (عقائد) ایک تھا، تاہم شریعتیں مختلف تھیں۔ ہر ایک نبی کو ایک شریعت ملی ہوئی تھی، جس پر عمل کرنا اس نبی کی امت کے لیے ضروری تھا، اور یہ کہ ان تمام باتوں پر ایمان لانا ایمان کے معتبر ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے، جب تک ایک مسلمان ان باتوں کو نہ مانے وہ مسلمان نہیں ہوسکتا۔

آسمانی شریعتوں میں اختلاف واتفاق کا امکان

آسمانی شریعتیں باہم متفق بھی ہوسکتی ہیں اور مختلف بھی، اس لیے کہ شریعتوں میں بندوں کے مصالح کو مدِنظر رکھا جاتا ہے اور بندوں کی مصلحتوں میں اختلاف اور تبدیلیاں واقع ہوتی رہتی ہیں، ایک کام ایک زمانے میں مصلحت سمجھا جاتا ہے اور دوسرے زمانے میں مصلحت نہیں رہتا، یا ایک زمانے میں مصلحت نہیں ہوتا اور اگلے زمانے میں وہ مصلحت بن جاتا ہے، اسی لیے شریعتوں کے درمیان اختلاف کے امکان سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ اور جب شرائع مختلف ہوسکتی ہیں، تو یہ بات بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی اور پیغمبر کو پچھلی شریعت کی پیروی کا حکم دے یا پھر کسی نبی کو پچھلے نبی کی شریعت کی پیروی سے منع کردے۔ صاحب ''کشف الاسرار'' رقم طراز ہیں:

''جان لو کہ یہ بات جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو پچھلے انبیاء علیہم السلام کی شریعت پر عمل کرنے کا پابند بنائے، اور اس کی پیروی کا حکم دے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ پچھلی شریعت کی پیروی سے منع فرمادے۔ دین میں اس حوالے سے کوئی صورت' محال اور ناقابلِ فہم نہیں۔ بندوں کے مصالح کبھی یکساں ہوتے ہیں، اور کبھی مختلف۔ پس ممکن ہے کہ کوئی چیز پہلے نبی کے زمانہ (نبوت) میں مصلحت ہو، دوسرے نبی کے زمانہ (نبوت) میں نہ ہو، اور اس کے برعکس صورت بھی ممکن ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں نبیوں کے زمانہ (نبوت) میں

مصلحت ہو۔ پس شرائع کا یکساں ہونا اور مختلف ہونا دونوں صورتیں ممکن ہیں۔‘‘(۴)

اشکال: ......توافق کی صورت میں نئے نبی کی ضرورت؟

اس مقدمے پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر نئے مبعوث ہونے والے نبی اور رسول کی شریعت گزشتہ نبی اور رسول کی شریعت کے بالکل موافق ہو، تو نئے نبی بھیجنے، ان کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرنے اور نئی شریعت نازل کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جواب: ...... نئے نبی کی ضرورت، متعدد وجوہات سے

پہلی وجہ

ضروری نہیں کہ نئی شریعت من کل الوجوہ پچھلی شریعت کے موافق ہو، بلکہ ممکن ہے کہ اتفاق کے باوجود چند احکام میں اختلاف ہو، اگر چہ اختلافی احکام اتفاقی احکام کے مقابلے میں کم ہوں۔

دوسری وجہ

یہ بھی ممکن ہے کہ ایک نبی کی شریعت ایک قوم کے لیے ہو، اور دوسرے نبی کی شریعت دوسری قوم کے لیے ہو۔

تیسری وجہ

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پچھلے نبی کی شریعت کے احکام مٹ چکے ہوں اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے ہوں اور نئے آنے والے نبی ہی کے ذریعے سے ان تک رسائی ممکن ہو۔

چوتھی وجہ

سابقہ شریعت کی تعلیمات میں بدعتیں در آئی ہوں جس کی وجہ سے اس شریعت کی تعلیمات تک بطریقۂ اکمل رسائی ممکن نہ ہو، ان بدعتوں کو مٹانے اور شریعت کے احکام کو اپنی درست شکل میں زندہ کرنے کے لیے نبی کی ضرورت ہو۔

ان وجوہات کے بنا پر ماننا پڑتا ہے کہ شرائع کے باہمی اتفاق کے باوجود نئے نبی کے آنے کی ضرورت برقرار رہتی ہے اور ان کی بعثت بامقصد و بامعنی رہتی ہے۔ (۵)

کیا دو آسمانی شریعتوں کا باہمی اتفاق واقع بھی ہوا ہے؟

آسمانی شرائع کے باہمی اتفاق و اختلاف کے ممکن و جائز ہونے کے بعد دیکھنا یہ ہے کہ آیا ایسا واقع بھی ہوا ہے کہ دو شریعتیں آپس میں بالکل متفق ہوں اور آنے والے نبی کو پہلے نبی کی شریعت کی مکمل پابندی کا حکم دیا گیا ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل میں تو ایسا واقع ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''بنی اسرائیل کے تمام انبیاء کرام علیہم السلام موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے تحت داخل ہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے احکام کے مخاطب ہیں، یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی۔ قرآن مجید میں اس کے دلائل کثرت سے موجود ہیں۔'' (۶)

عبدالمحسن بن حمدؒ رقم طراز ہیں:

''وَقَالَ: إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبَّانِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ. (المآئدۃ:۴۴) فَهٰذِهِ الْآيَةُ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّ أَنْبِيَاءَ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى يَحْكُمُوْنَ بِالتَّوْرَاةِ وَيَدْعُوْنَ إِلَيْهَا۔'' (۷)

''فرمایا: ''إِنَّا أَنْزَلْنَا'' (ہم نے نازل کی تورات کہ اس میں ہدایت اور روشنی ہے، اس پر حکم کرتے تھے پیغمبر جو کہ حکم بردار تھے (اللہ کے) یہود کو اور حکم کرتے تھے درویش اور عالم، اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور اس کی خبر گیری پر مقرر تھے) یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے تمام انبیاء علیہم السلام تورات کے احکام پر عامل تھے اور تورات ہی کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔''

حاصلِ بحث یہ ہوا کہ آسمانی شرائع میں باہم اختلاف بھی ممکن ہے اور اتفاق بھی، اتفاق کی صورت میں نئے نبی کی بعثت کے جواز کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ نیز گزشتہ شرائع میں ایسا ہوا ہے کہ ایک نبی کو پچھلے نبی کی شریعت کی پیروی کا حکم دیا گیا ہو، جیسا کہ انبیاء بنی اسرائیل کو تورات کے احکام پر عمل کرنے کا حکم تھا۔ تاہم یہ ساری تفصیل شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے قبل کی شرائع میں ہے، آخری پیغمبر کی شریعت کا سابقہ شرائع کے ساتھ کس طرح کا تعلق تھا؟ توافق کا؟ یا اختلاف کا؟ آئندہ سطور میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

حواشی

۱:......العقیدۃ الطحاویۃ للامام ابی جعفر احمد بن محمد الطحاوی، متوفیٰ: ۳۲۱ھ، ص:۱۳، مکتبۃ البشریٰ، کراچی۔

۲:......مسند الامام احمد بن حنبل، لابی عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل، متوفیٰ: ۲۴۱ھ، رقم الحدیث: ۸۲۴۸، ج:۱۳، ص:۵۴۵۔

۳:......المرجع السابق

۴:......کشف الاسرار شرح اُصولِ بزدوی، لعبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفیٰ: ۷۳۰ھ، ج:۲، ص:۲۱۲۔

۵:......تفصیل کے لیے دیکھئے: کشف الاسرار شرح اُصولِ بزدوی، ج:۳، ص:۲۱۲۔

۶:......فتح الباری شرح صحیح البخاری، لاحمد بن علی بن حجر العسقلانی، ج:۱، ص:۲۲۱۔

۷:......شرح حدیث جبریل فی تعلیم الدین، لعبدالمحسن بن حمد بن عبدالمحسن، ج:۱، ص:۳۶۔

(جاری ہے)

بینک کے آئی. ٹی ڈِپارٹمنٹ میں ملازمت کا حکم

ادارہ

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ:

میرا سوال یہ ہے کہ مجھے آج یو. بی. ایل (U.B.L) بینک میں جاب (ملازمت) ملی ہے، لیکن میرا کوئی پیسوں سے لین دین نہیں ہے۔ میں یو. بی. ایل (U.B.L) کے ہیڈ آفس (مرکزی دفتر) میں انفارمیشن ٹیکنالوجی ڈِپارٹمنٹ میں کام کرتا ہوں۔ سوفٹ وئیر پر جو لوگ یو. بی. ایل (U.B.L) بینک میں کام کرتے ہیں ان کی پریشانی دور کرتا ہوں۔ میرا اور کوئی کام نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ میری یہ ملازمت حلال ہے یا نہیں؟

وضاحت: سودی کاروبار ہوتا ہے یا نہیں، میں بالکل نیا ہوں، ہم جو کام کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو لوگ نوکری کرتے ہیں، ہم ان لوگوں کی آئی ڈی بناتے ہیں اور ان کے پاس ورڈ بناتے ہیں، بس یہی ہمارا کام ہے۔

مستفتی: وصی مہر

الجواب حامداً ومصلیاً

بصورتِ مسؤلہ یو. بی. ایل (U.B.L) بینک میں سائل کی ملازمت دو وجہوں سے ناجائز ہے:

ا:...... بینک کے بیشتر اِمور براہِ راست سودی ہوتے ہیں، اس ملازمت کے ذریعہ سوفٹ وئیر پر کام کرنے والے بینک ملازمین کے ساتھ فنی معاونت کا عمل پایا جارہا ہے، جو کہ شریعت کی رو سے معاصی پر تعاون کے زُمرے میں آتا ہے، اس لیے یہ ملازمت شرعاً ناجائز ہے۔ امام بصاصؒ ''آیتِ تعاون'' کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''وقوله تعالٰی: ''وَلَاتَعَاوَنُوْا عَلَی الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ'' نهٰی عن معاونة غيرنا علٰی معاصی اللّٰه تعالٰی''۔ (احکام القرآن للجصاص، سورۃ المائدۃ، ج:۲، ص:۴۲۹، ط: قدیمی)

۲:...... بینک جب سودی لین دین کا ادارہ ہے تو بینک اپنے تمام ڈِپارٹمنٹس کے ملازمین کو تنخواہ سودی منافع ہی سے دیتا ہے، جس کا حرام ہونا واضح ہے، لہٰذا سائل کا یو. بی. ایل (U.B.L) بینک کے آئی. ٹی ڈِپارٹمنٹ میں ملازمت کرنا بھی ناجائز ہے، اس ملازمت کے صلہ میں ملنے والی تنخواہ اور دیگر

مراعات سائل کے لیے حلال نہیں ہیں، سائل کوئی اور جائز ملازمت اور پیشہ اختیار کرنے کی کوشش کرے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حرام پیشے والی عورت کے علاج کی اُجرت کا حکم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اور اُجرت لینا مالِ حرام سے حرام ہے۔'' (امداد الفتاویٰ، اجارہ، ج:۳،ص:۳۷۸، ط: دارالعلوم کراچی)

الفتاویٰ الہندیہ (کتاب الاجارۃ) میں ہے:

''وسئل إبراهيم بن يوسفؒ عمن آجر نفسه من النصارٰی ليضرب لهم الناقوس كل يوم بخمسة ويعطى كل يوم خمسة دراهم فی ذٰلک وفی عمل آخر درهمان، قال: لايؤاجر نفسه منهم ويطلب الرزق من طريق آخر۔'' (ج:۴،ص:۴۵۰، ط: رشیدیہ)

علامہ حموی رحمۃ اللہ علیہ شرح ''اَشباہ'' میں فرماتے ہیں:

''قوله: وأما مسئلة ما إذا اختلط الحلال بالحرام الخ فی التمرتاشی فی باب المسائل المتفرقة من كتاب الكراهة مانصه: لرجل مال حلال اختلطه مال من الربا أو الرشاة أو الغلول أو السحت أو مال الغصب أو السرقة أو الخيانة أو من مال يتيم فصار ماله كله شبهة ليس لأحد أن يشاركهٗ أو يبايعهٗ أو يستقرض منه أو يقبل هديتهٗ أو يأكل فی بيته۔''

(حاشیۃ الحموی علی الأشباہ والنظائر، القاعدۃ الثانیۃ، ج:۱،ص:۳۴۵، ط: ادارۃ القرآن کراتشی)

احکام المال الحرام (المبحث الاول، معاملۃ اصحاب المال الحرام) میں ہے:

''فإذا اكتسب مسلم مالا حراما من ربا أو قمار أو بيع محرم ولم يتب إلى اللّٰه تعالٰی وأراد أن يعامل أحدا من المسلمين بهٰذا المال وكان معلومًا أنه يريد إيقاع المعاملة فی عين المال الحرام، فإنهٗ يحرم على المسلمين معاملتهٗ بهٰذا المال، لأن الحرمة تنتقل من ذمته إلٰی ذمة من يعاملهٗ۔'' (ص:۲۳۴، ط: دارالنفائس، بیروت)

تکملہ فتح الملہم (کتاب المساقاۃ والمزارعۃ، باب لعن آکل الربا وموکلہ) میں ہے:

''عن جابرؓ قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم آكلَ الربا وموكلَهٗ وكاتبَهٗ وشاهديه وقال: هم سواء ۔''قوله وكاتبه: لأن كتابة الربا إعانة عليه ومن هنا ظهر أن التوظفَ فی البنوک الربوية لايجوز، فإن كان عملُ الموظف فی البنک مايعين على الربا، كالكتابة أو الحساب، فذٰلک حرام لوجهين: الأول: إعانة على المعصية، والثانی: أخذ الأجرة من المال الحرام، فإن معظم دخل البنوک حرام مستجلب بالربا، وأما إذا كان العمل لاعلاقة لهٗ بالربا فإنهٗ حرام للوجه الثانی فحسب۔''

(رقم الحدیث:۴۰۶۲، ج:۱،ص:۶۱۹، ط: مکتبہ دارالعلوم کراتشی)

فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہٗ
ابوبکر سعید الرحمٰن	محمد عبدالقادر	رفیق احمد	محمد کلیم اللہ
			متخصص فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

نقد و نظر

ادارہ

اشاعتِ خاص بیاد: حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ (سہ ماہی ''المظاہر'' کوہاٹ)

مدیر: مولانا محمد طفیل کوہاٹی صاحب۔صفحات: ۱۲۲۳۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: ندوۃ التحقیق الاسلامی، کوہاٹ۔

زیرِنظر اشاعتِ خاص محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ کے شاگردِ رشید، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ، محققِ کبیر، شہیدِ مظلوم، امین الملۃ حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی پرعزم زندگی، علمی وتدریسی کارنامے، محدثانہ جلالتِ قدر، فروغِ علم کی لازوال جد وجہد، قومی وملی خدمات، انفرادی واجتماعی اَن گنت کارہائے نمایاں، سیرت واعمال کے ہمہ جہتی پہلوؤں پر مشتمل ایک دستاویز ہے۔ اس خصوصی اشاعت کو چھ اَبواب پر تقسیم کیا گیا ہے:

بابِ اول: ''احوالِ امین'' کے عنوان سے ہے، جس میں سوانحی خاکہ، احوال وآثار، مولانا محمد امین اورکزئی رحمۃ اللہ علیہ کا سماجی کردار بیان کیا گیا ہے۔

بابِ دوم: ''آثارِ امین'' کے نام سے ہے جو حضرتؒ کے علمی کارناموں کے تذکرہ، تصانیف کے تعارف اور بعض منتخب افادات کے لیے مختص کیا گیا ہے۔

بابِ سوم: ''تذکارِ امین'' میں حضرتؒ کے اہلِ خانہ، تلامذہ، متعلقین، سماجی دانشوروں اور احباب کے تأثراتی ومشاہداتی مضامین شامل ہیں۔

بابِ چہارم: ''نقشِ امین'' کے عنوان سے حضرت شہیدؒ کی خود نوشت علمی، تحقیقی اور تاریخی تحریرات پر مشتمل ہے۔

بابِ پنجم: ''مکاتیبِ امین'' میں آپؒ کے اہم علمی، اصلاحی اور سماجی مکاتیب کا گراں قدر ذخیرہ پیش کیا گیا ہے۔ اس باب میں آپؒ کے نام بعض مشاہیر کے مکاتیب شامل ہیں۔

بابِ ششم: ''یادِ امین'' منظوم تأثرات پر مشتمل ہے۔ آخر میں آپ کی نشست، رہائشی کمرہ، آپ کی چارپائی، آپ کی لائبریری اور ادارے کی چند تصاویر بھی شاملِ اشاعت کی گئی ہیں۔

اس خصوصی اشاعت کا سہرا آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب طول عمرہٗ اور حضرت مولانا محمد طفیل کوہاٹی زید مجدہٗ (مدیر: سہ ماہی ''المظاہر'' کوہاٹ) کے سر ہے، جو بے سروسامانی کے عالم میں نہایت محنتِ شاقہ کے بعد اتنا خوبصورت گلدستہ منصۂ شہود پر لائے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولانا محمد امین اورکزئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جنت الفردوس کا مکین بنائے اور آپ کے صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب کو اُن کا صحیح علمی جانشین بنائے۔ آمین!

میانِ دو کریم

محمد احمد حافظ۔ صفحات: ۳۰۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: سنابل پبلشرز، کراچی۔

حرمین شریفین کی محبوبیت اتنی ہے کہ اس کی زیارت ہر مؤمن مسلمان مرد اور عورت کی زندگی کی قیمتی آرزو ہوتی ہے، زندگی بھر اس کے لیے وہ تڑپتے اور مچلتے رہتے ہیں، جب اُنہیں یہ زیارت نصیب ہوتی ہے تو اپنے آپ کو دنیا کا خوش نصیب آدمی سمجھتے ہیں۔

اس کتاب کے مؤلف بھی اُنہی خوش نصیب حضرات میں سے ہیں، جنہیں حرمین شریفین کی زیارت اور سعادت نصیب ہوئی، تو انہوں نے اپنے اس سفر کی دلآویز روئیداد اور ہر متبرک مقام کے دیکھنے اور وہاں عبادت اور دعاؤں میں جو کیفیات اور قلبی واردات منکشف اور محسوس ہوئے، اُنہیں بہت ہی ادبی انداز میں اس کتاب کا حصہ بنایا ہے۔ کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے گویا آدمی خود وہاں موجود ہے۔ کتاب کو بہت ہی اعلیٰ کاغذ، عمدہ کتابت اور اعلیٰ پیرائے میں طباعت کیا گیا ہے۔ متبرک مقامات کی پرانی تصاویر کو بھی اس کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ مطالعہ کا ذوق رکھنے والے حضرات کے لیے یہ ایک بہترین کتاب ہے۔

مذاہبِ اربعہ میں توہینِ رسالت اور توہینِ صحابہؓ کا تحقیقی جائزہ

مفتی ثناءاللہ صاحب۔ صفحات: ۳۶۳۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: مرکز البحوث الاسلامیہ، مردان۔

دشمنانِ اسلام اور اُن کے آلہ کاروں نے مسلمانوں کو تڑپانے اور ان کے قلوب کو مجروح کرنے کی غرض سے نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس میں گستاخیوں کا وطیرہ اپنایا تو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں قانونِ توہینِ رسالت کی رو سے سزا دی جانے لگی تو بعض حلقوں کی طرف سے یہ آوازیں اُٹھنے لگیں اور شور ہونے لگا کہ یہ قانون آزادیِ رائے کے خلاف ہے اور اس دعوے کے ثبوت کے لیے علامہ ابن عابدینؒ کے رسالہ کا سہارا لیا جانے لگا

کہ اس رسالہ میں بھی گستاخِ رسول کی سزا قتل نہیں، بلکہ توبہ طلبی ہے اور رسائل وجرائد میں اس کی تائید میں مضامین شائع ہونے لگے تو موصوف نے اس کتاب میں علامہ ابن عابدینؒ کے اس رسالہ کے مطالعہ کی روشنی میں واضح کیا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ مؤلف نے علامہ ابن عابدینؒ کے اس رسالہ کا اُردو میں ترجمہ کیا اور روانی کے لیے اس کتاب میں تشریحی انداز اپنایا۔ گویا یہ کتاب علامہ ابن عابدین شامیؒ کے رسالہ ''**تنبیہ الولاۃ والحکام علی أحکام شاتم خیر الأنام**'' کا اردو ترجمہ ہے، یعنی اس کتاب میں علامہ ابن عابدینؒ کے رسالہ کو اصل مقصد کے ساتھ وضاحتی اُردو لبادہ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کے ٹائٹل پر اس کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

''گستاخِ رسول کی سزا کے بارے میں ائمہ اربعہؒ کے مذاہب کا مدلل بیان، توہینِ انبیائے کرام علیہم السلام، توہینِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم اور توہینِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا حکم، متقدمین ومتاخرین حضراتِ فقہائے احناف کے آراء کا تجزیہ، گستاخِ رسول کی سزا پر لکھی گئی عربی مطبوع ومخطوط کتبِ حنفیہ کا علامہ ابن عابدینؒ کی رائے سے مقارنہ، عصرِ حاضر میں توہینِ رسالت کی سزا کے حوالے سے علامہ ابن عابدینؒ کے مذہب سمجھنے میں بعض تسامحات کا ازالہ، گستاخِ رسول کے بارے میں متجددین کی آراء کا تحقیقی جائزہ، ملکی وبین الاقوامی قوانین اور اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں گستاخِ رسول کی سزا اور مذاہبِ عالم کی رو سے گستاخ کا حکم، یہ سب اس کتاب کا مرکزی نقطۂ نظر ہے۔''

رسالہ کے شروع میں محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ کے ہونہار شاگرد، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے سابق استاذ، مفتی اعظم ساؤتھ افریقہ حضرت مولانا مفتی رضاء اللہ صاحب دامت برکاتہم کی تقریظ اس کتاب کی ثقاہت کی بین دلیل ہے اور کتاب کے شروع میں حضرت مولانا سجاد الحجابی صاحب حفظہ اللہ کی تقدیم بہت ہی علمی اور معلوماتی ہے۔

بہر حال یہ کتاب ظاہری وباطنی خوبیوں سے مزین اور مالا مال ہے۔ علمائے کرام اور اہلِ علم حضرات کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔ امید ہے کہ اس کی قدر افزائی کی جائے گی۔

ذکرُ إجازاتِ الحدیث فی القدیم والحدیث

تالیف: شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ تقدیم وتحقیق: مولانا اسداللہ خان پشاوری۔ قیمت: درج نہیں۔ صفحات: ۵۶۵۔ ناشر: مکتبۃ الأسدیۃ العلمیۃ، شیخ آباد، پشاور۔

سند؛ اسلامی علمی تاریخی کی ایک ایسی خصوصیت ہے کہ انسانی دنیا کی علمی تاریخ میں اس پیمانے پر اس کی کوئی اور نظیر نہیں۔ عاشقانِ گیسوئے رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے اقوال وافعال اور تقاریر کے ساتھ ساتھ دہنِ مبارک سے جھڑتے پھولوں جیسے کلمات کی ادائیگی کے موقع کی خاص کیفیات کو محفوظ رکھنے کا بھی اہتمام کیا ہے۔ محدثین کے ہاں احادیثِ مسلسلہ کا مجموعہ اس دعوے کا بین ثبوت ہے، اور محض اس

ایک عنوان پر بھی کئی مستقل کتب ترتیب دی گئی ہیں۔ دورِ تدوینِ حدیث وترتیبِ کتبِ حدیث سے ہی ان ائمہ محدثین سے اپنے سلسلۂ سند کو مربوط رکھنے اور علوِ اسناد کی خاطر دور دراز کے اسفار کرکے مشائخ ومحدثین سے اجازات حاصل کرنے اور پھر اپنے شیوخ کی اسانید کو یکجا ترتیب دینے کی علمی روایت بھی تسلسل سے چلی آرہی ہے۔ یہی مجموعہائے اسانید ''المشیخات''، ''المعاجم''، ''الأثبات''، ''الفهارس'' اور ''البرنامج'' کے متنوع عناوین کے تحت ہمارے حدیثی ذخیرے کا ایک اہم جزء ہیں۔ ابتدا میں اسمائے شیوخ کے اعتبار سے مرتب ہونے کی بنا پر ایسے مجموعوں کو ''المشيخة'' یا ''المعجم'' کا نام دیا گیا، اہلِ اندلس کے ہاں انہیں ''البرنامج'' کہا جانے لگا، اور آخرکار اہلِ مشرق کے ہاں ''ثبت'' اور اہلِ مغرب کے ہاں ''الفهرسة'' کے عنوانات رواج پاگئے۔

اسی روایت کے تحت ہمارے اس خطۂ پاک وہند میں بھی بیسیوں ''أثبات'' ترتیب دیئے گئے ہیں، جن کی تعداد ایک سرسری وتقریبی اندازہ کے مطابق ڈھائی سو سے زائد ہے، اور ان میں اولیت کا شرف برصغیر کے نامور سپوت اور ان دیار میں علم حدیث کی اشاعت میں اہم کردار ادا کرنے والی شخصیت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) کے پیشِ نظر ''ثبت'' کو حاصل ہے، جو تاحال زاویۂ خمول میں رہا اور اب ہماری جامعہ کے متخصص اور زمانہ طالب علمی سے عمدہ علمی ذوق کے حامل جواں سال فاضل مولانا اسد اللہ خان پشاوری اپنے قابل قدر استاذ اور نامور محقق عالم حضرت مولانا محمد عبدالحلیم چشتی مدظلہٗ (فاضل دارالعلوم دیوبند وتلمیذ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مشرف شعبہ تخصص فی علوم الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن) کے حکم اور پھر ذاتی ذخیرۂ کتب سے کتاب کا مخطوط مہیا کرنے پر اُنہی کے اِشراف میں کئی سالہ تحقیقی جہدِ مسلسل کے بعد منظر عام پر لائے ہیں۔ ۵۶۵ صفحات پر مشتمل یہ کتاب عمدہ کاغذ، معیاری کتابت اور خوبصورت سرورق سے مزین ہے۔

محقق نے ابتدا میں تین فصول پر مشتمل طویل مقدمہ لکھا ہے، جس میں علم اسناد واثبات کے مبادیات، صاحبِ ثبت کے حالات وکارہائے علمی اور کتاب کے منہج ومخطوط کے متعلق مبسوط کلام کیا ہے۔ نیز جابجا تعلیقات سے پوری کتاب اَٹی پڑی ہے، جن سے ضخامت میں تو کافی اضافہ ہوگیا، ممکن ہے بعض اختصار پسند طبائع پر گراں گزرے، لیکن ان حواشی میں متن کے اندر درآمدہ احادیث وآثار اور عبارات کی تخریج اور شخصیات کے مختصر احوال سمیت اَن گنت مفید علمی فوائد بکھرے موتیوں کی مانند قاری کی دسترس میں آگئے ہیں۔ نیز فنی پہلو سے بھی ملکی سطح پر بہت بہتر طباعت ہے۔

ہماری نظر میں نوجوان محققین کی ایسی کاوشیں قابلِ ستائش ولائق تشجیع ہیں۔ محقق موصوف اس عمدہ کاوش پر مبارک باد کے مستحق ہیں، اور امید ہے کہ وہ اس میدان میں اَب پیچھے ہٹنے کے بجائے قدم آگے بڑھاتے جائیں گے۔

مطبوعاتِ ’’القاسم اکیڈمی‘‘ نمبر

علامہ عبدالرشید عراقی صاحب۔صفحات: ۴۸۴۔ قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ۔

زیرِتبصرہ کتاب ماہنامہ ’’القاسم‘‘ کی ۲۱ویں خصوصی اشاعت ہے جو القاسم اکیڈمی سے طبع شدہ تقریباً ۱۶۵ کتابوں کے تبصروں پر مشتمل ہے۔اس اکیڈمی نے اپنے مختصر وقت اور مختصر سفر میں کثیر کتابیں شائع کرلی ہیں۔شہیدِ ناموسِ رسالت حضرت مولانا سعید احمد جلال پوری شہید قدس سرہٗ نے ’’القاسم اکیڈمی‘‘ سے طبع شدہ ایک کتاب کے تبصرہ کے شروع میں لکھا کہ:

> ’’مولانا عبدالقیوم حقانی ماشاء اللہ! موفق من اللہ ہیں کہ ہم ابھی سوچ ہی رہے ہوتے ہیں کہ ان کی ایک اور کتاب وتالیف منظرِ عام پرآ جاتی ہے۔کتاب لکھنا، مرتب کرنا اور اسے طباعتی مراحل سے گزار کر منظرِ عام پر لانا کس قدر مشکل ہے؟ یہ وہی جانتا ہے جو اس میدان سے کچھ علاقہ رکھتا ہو۔‘‘

زیرِتبصرہ کتاب کے مؤلف جناب عبدالرشید عراقی صاحب کے قلم سے تقریباً ۶۸ کتب منظر پر آ چکی ہیں۔مؤلف کی حضرت حقانی صاحب کے ساتھ بڑی عقیدت اور مناسبت ہے، اسی لیے القاسم اکیڈمی سے جو کتاب چھپ کر اُن تک پہنچتی ہے، موصوف اس پر ضرور اپنا تبصرہ اور رائے گرامی لکھ لیتے ہیں، آپ کے قلم سے نکلے ہوئے ’’القاسم اکیڈمی‘‘ کی مطبوعات پر تبصرے اس کتاب میں جمع کیے گئے ہیں۔کتاب کے ٹائٹل پر اس کتاب کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

> ’’اپنے موضوع کے حوالے سے اردو زبان میں سب سے پہلی اَنوکھی اور اَلبیلی کتاب، القاسم اکیڈمی بالخصوص شیخ الحدیث مولانا عبدالقیوم حقانی کے تفسیر، حدیث، سیرت، فقہ، سیاست ونظمِ ریاست، تصوف وسلوک، عقائد، اخلاقیات، سوانحات، ادب، مواعظ وخطبات، ’’ماہنامہ القاسم‘‘ کی خصوصی اشاعتیں اور فرقِ باطلہ کے تعاقب پر مشتمل شہ کار کتابوں کا تعارف وخلاصہ، اندازِ تحریر ادیبانہ، طرزِ تحریر محققانہ اور پیش کش مخلصانہ.......معروف سکالر بزرگ عالمِ دین، ۶۸ سے زائد کتابوں کے مصنف، علامہ عبدالرشید عراقی کے رشحاتِ قلم کا علمی، ادبی اور عظیم تاریخی مرقع۔‘‘

گویا یہ ایک کتاب اپنے اندر پوری القاسم اکیڈمی کو لیے ہوئے ہے، جو اپنے اختصار کے باوجود بہت سارے علمی موضوعات پر محیط ہے۔اللہ تبارک وتعالیٰ مرتب، مؤلف اور مبصر کی اس محنتِ شاقہ کو قبول فرمائے اور اس کتاب کو سب کے لیے ذریعۂ نجات بنائے۔